

کتاب کی معنوی تحریف  
آن کے نام پر



۷۷

ملک دین محمد اید سنز اشاعت منزل لاہور



694

بسم الله الرحمن الرحيم  
الحمد لله رب العالمين  
والصلاة والسلام على  
سيدنا محمد وآله الطيبين  
الطاهرين

بسم الله الرحمن الرحيم  
الحمد لله رب العالمين  
والصلاة والسلام على  
سيدنا محمد وآله الطيبين  
الطاهرين  
والسلام على سيدنا محمد  
والآله الطيبين الطاهرين  
الذين هم خير البرية  
والصلاة والسلام على  
سيدنا محمد وآله الطيبين  
الطاهرين  
والسلام على سيدنا محمد  
والآله الطيبين الطاهرين  
الذين هم خير البرية

بسم الله الرحمن الرحيم  
الحمد لله رب العالمين  
والصلاة والسلام على  
سيدنا محمد وآله الطيبين  
الطاهرين  
والسلام على سيدنا محمد  
والآله الطيبين الطاهرين  
الذين هم خير البرية  
والصلاة والسلام على  
سيدنا محمد وآله الطيبين  
الطاهرين  
والسلام على سيدنا محمد  
والآله الطيبين الطاهرين  
الذين هم خير البرية



1829

55  
م



# قرآن کی معنوی تحریف

## قرآن کے نام پر

از ماہر القادر صاحب مدیر ماہنامہ "قاران" کراچی

برائے ادارہ "عارف"

مالکان فرم

ملک دین محمد اینڈ سونز پبلشرز اینڈ ڈسٹریبیوٹرز لاہور



۲  
59797

منکرین حدیث نے جس غرض کے لئے انکارِ حدیث کا  
فلنہ اٹھایا تھا (جس کا اعادہ ماہ اکتوبر ۱۹۷۹ء سے  
ماہنامہ عارف میں ہو رہا ہے) آج تحریف القرآن کی صورت  
میں اس کا اظہار ہو چکا ہے جس پر مجھی ماہر القادری نے  
اپنے ماہنامہ فاران (کراچی) کے شمارہ اکتوبر کے نقش اول میں  
جو عالمانہ اور مستند تصریح کی ہے وہ اس کتابچے کی صورت میں  
آپ کے پیش نظر ہے۔ پڑھئے اور منکرین حدیث کی تفسیر بالہو  
کی جرات بے باک دیکھئے۔

شوق مدیر عارف لاہور



1829

# نقشِ اول

جہاں تک نگارش و تحریر اور قلم و زبان کا تعلق ہے تعمیر و اصلاح اور تبلیغ حق کے دو اسلوب ہیں، ایک یہ کہ کسی برائی اور غلط نظریہ کی نشان دہی کئے بغیر "معروف" کو پیش کیا جائے اور "منکر" پر کسی قسم کی کوئی تنقید اور طنز نہ ہو، مثلاً سچ بولنے کی خوبیاں طرح طرح کے عنوانات بدل بدل کر بیان کی جائیں مگر جھوٹ کی خرابیوں کا کوئی ذکر ہی نہ آنے پائے یا جھوٹ کا ذکر آئے بھی تو وہ ایک عام برائی کی حیثیت سے آئے، کسی شخصیت کے جھوٹ کا تعین کر کے اس پر گفتگو نہ کی جائے۔ کوئی شک نہیں تبلیغ حق کا یہ انداز اور تعمیر و اصلاح کا یہ اسلوب بھی بہت مفید ہے اور جو کوئی بھی اپنی تحریر و گفتگو میں اس مثبت اسلوب کو نباہ سکتا ہے وہ تحسین و ستائش کا مستحق ہے۔

دوسرا اسلوب یہ ہے کہ "معروف" کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ "منکر" پر تنقید بھی کی جائے اور شخصیتوں کے تعین کے ساتھ ان کی غلطیوں، لغزشوں اور گمراہیوں کی نشاندہی بھی ہوتی ہے۔  
 تبلیغ حق کے یہ دونوں اسلوب اپنی جگہ مفید اور کارآمد ہیں اور ان میں سے کسی ایک اسلوب کی بھی ضرورت، اہمیت اور افادیت کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔  
 دوسرا اسلوب جو تنقید و گرفت کا اسلوب ہے، پہلے اسلوب کے مقابلہ میں کھٹکتا ہے مگر یہ اسلوب اپنی جگہ "ناگزیر اسلوب" ہے، جسے ہر مبلغ، مصلح، مقرر اور انشا پرداز کو اختیار



کرنا پڑتا ہے — خود قرآن کریم میں یہ دونوں اسلوب ملتے ہیں، (۱) خالص معروض  
کی تبلیغ اور (۲) منکر پر شخصیتوں کا نام لے کر تنقید!

قرآن کریم میں صالحین اور اہل تقویٰ کو سراہا بھی گیا ہے اور ساتھ ہی ظالموں اور کذابوں پر لعنت  
بھی بھیجی گئی ہے، نیکو کاروں کو عیشِ جنت کی بشارت دی گئی ہے اور فاسقوں اور فاجروں کے لئے عذاب  
جہنم کی وعید بھی آئی ہے! ابلیس کی شخصیت کے تعین کے ساتھ اُسے رحیم اور رازندہ درگاہ قرار دیا گیا ہے، فرعون  
اور ابولہب جیسے کافروں، ظالموں، حق ناشناسوں اور بیوقوفوں کو ایذا دینے والوں کی دو ٹوک الفاظ میں مذمت آئی ہے

تو قرآن کریم ہم کو بتاتا ہے کہ کچھ بلائیاں، گمراہیاں اور غلط گالیاں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ نہ صرف ان  
کی نشاندہی کرنی ناگزیر ہوتی ہے بلکہ ان کے کرنے والوں پر بھی نام لے کر احتساب ضروری ہو جاتا ہے۔  
ہم آج کی صحبت میں جس گمراہی پر احتساب کر رہے ہیں، وہ پاکستان کے ملے، ملت کے لئے اور  
خود اسلام کے لئے اتنا بڑا فتنہ ہے کہ اس کی خطرناکی کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا، یہ وہ گمراہی اور ضلالت ہے،  
جس سے اصل دین کی نفی ہوتی ہے، یہ مسلک خدا نخواستہ مسلمانوں میں مقبول ہو گیا، تو ایمان، اسلام اور  
اخلاق ان میں سے کوئی چیز بھی صحیح سلامت نہ رہ سکے گی! اس فتنہ نے قرآن کریم کے ساتھ جو دردناک  
سلوک کیا ہے، اُسے دیکھ کر کوئی غیرت مند اور حساس مسلمان سکوت و ضبط کی حدوں میں خاموش تماشائی  
بن کر نہیں رہ سکتا۔ ہمارے دل کی یہی گمراہی اور ضمیر کی یہی چٹخیں ہیں جو بیساختہ الفاظ میں ڈھل گئی  
ہیں، قرآن کی حفاظت کے نام پر قرآن کی یہ کھلی ہوئی معنوی تحریف کسی عنوان گوارا نہیں کی جاسکتی۔  
رسالوں، اخباروں اور کتابوں میں فکر و خیال کی غلطیاں، لغزشیں اور کوتاہیاں نظر سے گزرتی ہی رہتی  
ہیں اور چھوٹے موٹے فتنے آئے دن اٹھتے ہی رہتے ہیں، حقائق کی تعبیر و تہ جمانی میں اربابِ فکر سے  
غلطیاں ہوتی ہیں اور ہم خود اپنی زبان و قلم کو غلطیوں سے محفوظ نہیں سمجھتے۔  
چلے کتنا ہی بیچ کے کوئی ٹھوکرا کہا ہی جاتا ہے۔

رماہر القادری



1829

# قرآن کی معنوی تحریف

## قرآن کے نام پر

پاکستان میں ”بزم طلوع اسلام“ نے اطاعتِ رسولؐ کے خلاف جو محاذ قائم کر رکھا ہے اور قرآن ہی کے نام پر قرآن کے مفہوم و عشا کی جو کھلی ہوئی تحریف کی جا رہی ہے، سب سے پہلے اس کا اجمالی تعارف ضروری ہے۔

تقسیم ہند سے بھی کئی سال پہلے جناب سید نذیر نیازی کی ادارت و نگرانی میں مجلہ ”طلوع اسلام“ نکلتا تھا، جس میں اسلامی علوم پر خاصے بلند مضامین شائع ہوتے تھے ”طلوع اسلام“ میں علامہ اقبال کے افکار کی خاص طور پر ترجمانی کی جاتی تھی، غلام احمد صاحب پریز ان دنوں حکومت ہند میں ملازم تھے، ان کی ملازمت کا آغاز گورنمنٹ آف انڈیا پریس میں ایک کلرک کی حیثیت سے ہوا تھا۔ انگریزی حکومت کے آخری دور میں وہ آفس سپرنٹنڈنٹ تھے۔

مسٹر پریز کو مضمون نگاری کا شوق تھا، ان کے مضامین ”طلوع اسلام“ کے علاوہ ہندوستان کے دوسرے رسالوں میں بھی شائع ہوتے تھے، مرزا غلام احمد قادیانی



نے جس طرح شروع شروع میں دین کی حمایت اور مدافعت میں مضامین اور کتابیں لکھی تھیں اور اس شخص کے وہی معتقدات تھے، جو جمہور امت کے تھے، یہی حال پرویز صاحب کا تھا، اپنے جن مضامین کے ذریعہ وہ دینی اور علمی حلقوں میں متعارف ہوئے ہیں، وہ مضامین عام مسلمانوں کے معتقدات کے مخالف نہ تھے؛

یہ زخم مسلمانوں کے دلوں میں آج تک تازہ ہیں کہ ماہنامہ ”نگار“ کے ایڈیٹر نیاز فتح پوری نے فتنہ اور حدیث کے خلاف باقاعدہ مہم شروع کر رکھی تھی اور یہ شخص ”مولوی اور نلّا“ کی آڑ میں اسلام پر پھبتیاں کستا اور دینی اقدار کی سنسی اڑاتا تھا۔ مسٹر پرویز نے نیاز کے اس مسلک کا اثر قبول کیا اور ”نگار“ کے ایڈیٹر کے اسلوب نگارش کی اپنی تحریروں میں نقل اتارنے کی کوشش کی، نیاز کی اس روش نے پرویز صاحب کو یہ بھی سمجھایا کہ دیندار طبقہ میں قلم کے ذریعہ مقبول و ہر دلعزیز بننے کے لئے علم و تقویٰ کی ضرورت ہے پھر اس بزم میں ایسے تابناک فانوس اور روشن شمعیں موجود ہیں، جن کے سامنے سطحی معلومات رکھنے والے اہل قلم کا چراغ نہیں جل سکتا، ہاں! مغرب زدہ نوجوان طبقہ میں مقبول اور مشہور ہونے کے لئے اردو کی کتابوں کا مطالعہ اور لکھنے کا اچھا انداز کافی ہے خاص طور سے انگریزی مصنفین کی کتابوں کے حوالے اور ان کے اقتباسات کسی مضمون میں آجائیں کہ شوپن ہار نے یہ کہا تھا، لیسلی پال (LESLI PAUL) کی فلاں مسئلہ میں یہ رائے تھی، رسل اور جوڈ کا یہ نقطہ نگاہ تھا، مغربی دانشوروں کے ان اقتباسات اور حوالوں کے ساتھ انگریزی کی کچھ اصلاحات :-

(مثلاً) ”ناقابل تقسیم وحدت (INDIVISIBLE)“ ”اعمال و خواص —“  
 (ACTIONS AND PROPERTIES) ”تحفظاً خویش“



(PRESERVATION OF LIFE)

بھی آتی رہیں، تو مغرب زدہ نوجوان ایسے انشا پر داز کو بہت بڑا مفکر اور محقق سمجھنے لگتے ہیں، اور پھر اس سطحیت اور لفظی نشیثہ گرمی کے ساتھ زندگی کو تکلیفات شرعی اور دینی پابندیوں کی قید سے آزاد کئے جانے کے نکتے بھی بیان ہوتے رہیں، تو یہ مقبولیت اور زیادہ یقینی ہو جاتی ہے۔

یہاں اس واقعہ کا بیان کر دینا بھی ضروری ہے کہ نیاز فتحپوری کے خرافات اور طحانہ افکار و خیالات پر ہندوستان کے مسلمانوں نے شدید احتجاج کیا، اس احتجاج کے دباؤ کا یہ اثر ہوا کہ نیاز صاحب کو اپنے رسالہ "نگار" میں اعلان عام کے ساتھ باقاعدہ تحریری "توبہ نامہ" شائع کرنا پڑا کہ وہ آئندہ اپنے رسالہ میں اس قسم کے دینی موضوعات پر گفتگو نہ کریں گے، اس "توبہ نامہ" کے بعد کچھ دن تک تو یہ طوفان بدتمیزی رکا رہا، مگر پھر اس شخص نے توبہ شکنی کی، عہد و پیمان کو توڑا اور "نگار" کے صفحات پھر اسی قسم کے خرافات سے آلودہ ہو گئے۔ جناب پر دینو ہندوستان میں نیاز کا حشر دیکھ چکے تھے، اس لئے انہیں کھل کر اپنے گمراہ کن مسلک کو پیش کرنے کی جرأت نہیں ہوئی، اسنت رسول کی کلمہ کھلا مخالفت اور قرآن کریم کی معنوی تحریف کی یہ جسارت پاکستان میں آکر پیدا ہوئی ہے، اور اس فتنہ نے اس ملک میں پڑ پڑے نکالے ہیں جو کتاب و سنت ہی کے نام پر وجود میں آیا ہے!

مسٹر پر دینو نے مضمون نگاری کا جیب آغاز کیا ہے تو انہیں عربی نہیں آتی تھی اور بہت دن تک وہ عربی دانی کے معاملہ میں کورے ہی رہے، پھر انہوں نے "عربی لہجہ چال" اور "معلم عربی" جیسی کتابوں کے ذریعہ عربی زبان سے شناسائی حاصل کی اور اپنے



مطالعہ کو جاری رکھا، عرض کرنا یہ ہے کہ قرآنی لغت اور قرآنی علوم میں جس بصیرت اور مہارت کے وہ مدعی ہیں، اس بصیرت و آگہی کے لئے ان کی عربی دانی پر قطعاً اعتماد نہیں کیا جاسکتا، اب یہی قرآنی لغت کی تالیف، تو اس کے لئے پہلے سے لکھی لکھائی لغات موجود ہیں، ایک معمولی عربی جاننے والا شخص بھی ان کی مدد سے ایک لغت مرتب کر سکتا ہے، جو لوگ عربی نہیں جانتے یا تصنیف و تالیف کے فن سے ناواقف ہیں، وہ بیچارے اس قسم کے ناپختہ مولفین کی تدوین و تالیف کی ہوئی لغات کو دیکھ کر مرعوب ہو جاتے ہیں؛

ہاں! تو بات مطلوع اسلام سے چلی تھی، عرض کیا گیا تھا کہ سید نذیر نیازی اس مجلہ کے مدیر و نگران تھے، پھر اس کی ترتیب و نگرانی پر وزیر صاحب سے متعلق ہو گئی، گورنمنٹ سرورس میں ہونے کی وجہ سے ان کا نام مدیر و منتظم کی حیثیت سے نہیں آتا تھا؛

پر وزیر صاحب کا برسوں دلی میں قیام رہا ہے اگر ان کی طبیعت میں حق پسندی کا جوہر ہوتا تو دلی میں حق پسند علماء اور ارباب کمال کا قحط نہ تھا۔ ”شگفتہ جذب و قلندریت“ اور خود عربی دانی کے لئے مولانا عبد السلام نیازی کی صحبت سے وہ فیض اٹھا سکتے تھے اور ان کی صحبت میں ”خدا ما صفا دع ما کدر“ پر عمل کر کے کچھ نہ کچھ حاصل کر سکتے تھے، اسی دلی میں مولانا محمد ایوب صاحب جیسے فاضل روزگار عالم بھی تھے کہ جن کے درس و وعظ میں نازک و غامض دینی اور کلامی مسائل کی گہری کھلتی ہیں۔ سب سے زیادہ معروف شخصیت مولانا کفایت اللہ مرحوم کی سٹی جن کے علم و فضل اور صالحیت و تقویٰ کی قسم کھائی جاسکتی ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ بقید حیات تھے جن کو دیکھ کر قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی یاد تازہ ہوتی تھی۔ ان تمام ارباب کمال کو نظر انداز کر کے پر وزیر صاحب کی نگاہ انتخاب پڑی بھی تو کس پر، مولانا اسلم



جیراج پوری پڑھا، جو عبداللہ چکڑا لوی کے "مسکب انکار حدیث" کا بوریا سنبھالے بیٹھے تھے، اور جن کا سب سے بڑا کارنامہ "تاریخ الامت" ہے، جس کو تحقیق و تصنیف سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے اس کتاب کی حیثیت تالیف و ترجمہ کی ہے، حالانکہ جس ملیہ سے اسلم جیراج پوری کا تعلق تھا، اسی جامعہ میں مولانا خواجہ عبداللہ مفسر قرآن بھی موجود تھے، لیکن اس قسم کے حق پسند علما کو چھوڑ کر، پرویز صاحب نے مولانا اسلم جیراج پوری کی رہنمائی اور قیادت کو قبول کیا ہے۔

پہنچی وہیں پہ خاک، جہاں کا خمیر بھتا

اوپر لکھا جا چکا ہے کہ مسٹر پرویز کے ابتدائی مضامین میں دینی جھلک پائی جاتی تھی اور ان میں جمہور امت کے دینی عقائد کی مخالفت نہیں کی جاتی تھی، توقع تھی کہ ان کا قلم مستقبل میں دین و اخلاق کی اور بڑھ چڑھ کر خدمت انجام دے گا ان مضامین کے سبب مسلمان پرویز صاحب سے حُسن ظن رکھتے تھے، اسی حُسن ظن نے انہیں دہلی سکریٹریٹ کی مسجد میں جمعہ کا خطبہ دینے کا موقع عطا کیا، کچھ دنوں تک وہ اس خدمت کو انجام دیتے رہے، مگر اسی زمانہ میں ان کے مضامین کا رنگ بدلنے لگا، سب سے پہلے مسٹر پرویز نے بعض احادیث کے بارے میں اپنے شکوک و شبہات پیش کئے۔ ماہنامہ "ترجمان القرآن" میں ان شبہات کا پوری طرح ازالہ کر دیا گیا لیکن پرویز صاحب کے یہ شبہات ایک جویا کے حق اور نخلص قلب کی کھٹک نہ تھی جو افہام و تفہیم کے بعد دور ہو جاتی ان کے یہ شکوک ایک برخود غلط قلب کے شکوک تھے، جو رفتہ رفتہ شاخ و درشاخ اور پختہ ہوتے رہے یہاں تک کہ ان کو سنت رسول سے عناد پیدا ہو گیا۔

پرویز صاحب کے مضامین کا بدلتا ہوا رنگ دیکھ کر، مسلمانوں کے لکھے پڑھے







پرویز صاحب کے بعض دوستوں اور عزیزوں نے ہمیں خطوط بھیجے تھے، جن میں لکھا تھا کہ اس شخص کے مزاج و طبیعت کا ہمیں اچھی طرح اندازہ ہے، یہ شخص کسی نہ کسی عنوان سے لیڈر بننا چاہتا ہے کہ میرے کچھ پیرو اور ماننے والے ہوں، میرے نام سے کوئی مکتبہ فکر و خیال منسوب کیا جائے، یہاں تک کہ بسائیت اور قرامطیت کی طرح تاریخ میں "پرویزیت" کا بھی ذکر آئے لوگ چاہے طنز و ملامت کے ساتھ ذکر کریں مگر کئی تو سہی، شہرت نہ سہی، تشہیر تو ہو سہی

بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا

اور

یہ جو دورِ حاضر کے بعض مسلم اربابِ فکر سے پرویز صاحب کا مقابلہ کیا جاتا ہے — تو ان حضرت کی یہی عین تمنا ہے کہ اس قسم کے مقابلہ و موازنہ بلکہ تردید و تنقید سے اور شہرت ہوتی ہے — خطوط نگاروں کے یہ اندیشے صحیح ثابت ہوئے۔ اور انہوں نے پرویز صاحب کی جو نفسیاتی تحلیل کی تھی اس کے مظاہر سب کی آنکھوں کے سامنے ہیں! آج کی دنیا فکر و عمل کی اس لپٹی تک اتر آئی ہے کہ "جھوٹوں کے کلب" قائم ہوتے ہیں اور لوگ فخر و ناز کے ساتھ ان کی رکنیت قبول کرتے ہیں، "نئے پن" کے اس پکے نے طرح طرح کی گمراہیاں اور آوارگیاں پیدا کر دی ہیں، پرویز صاحب نے دنیا کے اس مزاج و طبیعت کا اندازہ لگا کر قرآن کریم کی تفسیر کے پردے میں ایک ایسے مکتبہ فکر کی بنیاد ڈالی ہے، جو ہے تو بے شک "نیا" مگر سرتاپا عملات ہے!

پاکستان کے گورنر جنرل مسٹر غلام محمد کی جو زندگی اور سیرت رہی ہے، وہ سب پر روشن ہے، اس شخص کے دورِ حکومت میں پاکستان کا وقار خاک میں مل گیا تھا، توڑ جوڑ اور



سازشوں کی وہ گرم بازاری کہ خدا کی پناہ ————— مگر ————— ”نظامِ ربوبیت“ کے داعی ————— پمپ دیز نے غلام محمد اور ان کی حکومت کو عنوان بدل بدل کر جس طرح سراہا ہے اس کے ثبوت میں ماہنامہ ”طلوع اسلام“ کے گزشتہ فائل پیش کئے جا سکتے ہیں، حد ہو گئی جی حضورؐ، زمانہ سازی اور اقتدار پرستی کی کہ مسٹر پرویز نے ”نبی“ کے مماثل بلکہ اس عظیم منصب کے توڑ پر جو ”مرکز ملت“ کا عہدہ تراشا ہے، اس کو مسٹر غلام محمد کی ذات اور حکومت سے نسبت دی گئی۔

### ————— جو شخص —————

اس درجہ ابن الوقت اور زمانہ کی ہوا کا سا تھتی ہو، اس کی تائید، قصیدہ خوانی اور نیا زمندی پر اعتقاد نہیں کیا جاسکتا اس قسم کے مرغانِ بادشاہی اربابِ اقتدار اور حکومتوں کے ساتھ نیاز مندی صحرا کے بگولوں اور دریا کے بلبلوں سے بھی زیادہ تاپاؤں اور ثابت ہوتی ہے اس ذہنیت اور مزاج کے لوگوں کی ٹیکس بنک یہ ہوتی ہے کہ اربابِ اقتدار کی وفاداری اور خیر خواہی کی آٹے کر اپنے فاسد مشن کو پھیلاتے رہیں۔ مسٹر غلام محمد کی مدح سرائی سے پرویز صاحب کی ذہنی سطح اور کردار کی بوتلمونی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

مسٹر غلام محمد کے دورِ حکومت کے آغاز میں ”طلوع اسلام“ بند ہونے والا تھا، مگر چند دنوں ہی میں اس کے مالی حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ وہ ”ہفتہ وار“ ہو گیا، اس زمانہ میں یہ خبر عام طور پر مشہور تھی کہ حکومت پرویز صاحب کی پشت پناہی کر رہی ہے اب اس کی تفتیش تو موجودہ حکومت ہی کر سکتی ہے کہ ”طلوع اسلام“ کو اگر مالی امداد دی گئی تھی تو کس بنیاد پر اور کن لوگوں کی سعی و سفارش سے دی گئی تھی اور اس دور کی بدنام حکومت پرویز صاحب سے کیا کام لینا چاہتی تھی اور وہ کون سرکاری افراد تھے، جو



”طلوعِ اسلام کے مشن سے دلچسپی رکھتے تھے؟

جن باتوں پر تنقید کرنی ہے، ان کا تو ابھی ذکر ہی نہیں چھڑا اور تمہید دراز سے دراز تر ہوتی چلی جا رہی ہے، قصہ مختصر مسٹر پرویز اپنے سرکاری عہدے سے نپٹنے کے کچھ دن بعد کراچی سے لاہور چلے گئے، وہاں کی فضا کو انہوں نے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے زیادہ سازگار سمجھا، یہاں تک کہ رسالہ ”طلوعِ اسلام“ ایک مستقل جماعت بن گیا، اب شہروں میں جگہ جگہ ”بزمِ طلوعِ اسلام“ کی شاخیں اور اس کے ریڈنگ روم قائم ہیں، انقلابی حکومت کے بعد پاکستان کی دوسری جماعتیں ختم کر دی گئیں، ”بزمِ طلوعِ اسلام“ کے لئے میدان خالی ہے اور وہ اپنے اس موقف سے پورا پورا فائدہ اٹھا رہی ہے۔

اسلام سیدھا سادہ دین ہے،  
**ناوک تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں** | فطرت کے عین مطابق، اسی لئے اسلام

کو ”دینِ فطرت“ کہا جاتا ہے، اسلام کے احکام میں کوئی پیچیدگی اور ابہام نہیں، کھلی کھلی باتیں، روشن دلیلیں، نہ ان میں تضاد ہے اور نہ فلسفیانہ الجھاؤ ہے، مگر مسٹر پرویز نے اسلام کو جس انداز میں پیش فرمایا ہے، وہ ایک جدید قسم کا عجیب و غریب فلسفہ بن کر رہ گیا ہے، اللہ تعالیٰ کے سیدھے سادے دین کو منطقی و فلسفہ بنا کر، جدید اصطلاحات کے سلاسل و اغلال اس کو پنہا دینا دین کی سادگی، دین کی فطرت اور دین کے مزاج کے ساتھ ایک طرح کا مذاق نہیں بلکہ ظلم ہے۔ ان حضرات نے ”قرآنی نظام ربوبیت“ کی ایک اصطلاح وضع کی ہے اور سینکڑوں صفحات میں اسی ”نظام ربوبیت“ کی شرح فرمائی ہے! اس شرح و تفسیر میں قرآنی فکر تو برائے نام ہے، زیادہ تر پرویز صاحب کے اپنے افکار کی کار فرمائی ہے اور خود ان کے افکار کا ماخذ و منبع مغربیت اور اشتراکیت ہیں، اول



یہ وہ صاحب ہیں جو فقہ و حدیث پر عجمیت کی طنز کرتے ہیں، مگر خود انہوں نے افرنگہ روس سے فکر و خیال مانگ مانگ کر جو اپنی بزم (طلوع اسلام) سجائی ہے، اس پر یہ کسی قسم کا عار محسوس نہیں کرتے۔

حق و صداقت کی تبلیغ اور دینی مسائل کے افہام و تفہیم کے لئے جدید اصطلاحات سے بھی کام لیا جاسکتا ہے، مثلاً "صلوٰۃ" (نماز) کے بارے میں کہہ سکتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کا "نظام الاوقات" (TIME TABLE) ہے، اور نماز مسلمانوں کو وقت کی پابندی بھی سکھاتی ہے، مگر نماز کے حضور و خشوع، اخلاص و خشیت، تسبیح و تہلیل، رکوع و سجود اور دوسرے ارکان عبادت کو پس پشت ڈال کر یا ثانوی درجہ دے کر یا اسے "نظامی رسم" بتا کر صرف "پابندی وقت" ہی کو نماز کا اصل مقصود ٹھہرا دیا جائے، تو یہ فکر کس قدر غلط ہے اور یہ ذہن کس درجہ غلط اندیش ہے، فریضہ صلوٰۃ کی اہمیت اور اقداریت کو صرف "پابندی وقت" کے ارد گرد گھما کر اسی کو اصل مقصود ثابت کرنے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ عبادت کا مفہوم ہی ذہنوں میں خبط ہو کر رہ جائے گا، اور مسلمان اس احساس کمتری میں مبتلا ہو جائیں گے کہ صلوٰۃ کے اصل مقصد پر پابندی وقت (PUNCTUALITY) کی تکمیل تو یورپ کر رہا ہے....

اور پھر

یہ فکر نادرہ کار مسلمانوں کو طغیان و فساد اور گمراہی کی اس سطح تک لے آئے گی، جو کہ کوئی وقت کی پابندی کو شعار بنا لے گا، وہ "صلوٰۃ" سے بے پرواہ ہو جائے گا کہ اصل مقصود تو حاصل ہو گیا۔

وہ "نظام ربوبیت" ہو یا "توازن معاشرہ" کا فلسفہ ہو، پرویز صاحب کے یہاں



یہی فکر کام کرتی ہے کہ دین کے ارکان کی فرضیت کا احساس مسلمانوں کے دلوں سے رخصت ہو جائے، اور شریعت کی پابندیوں پر سے مسلمانوں کا ایمان و اعتقاد اٹھ جائے پرویز صاحب کا اصل مشن یہی ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں یہ بات اتار دیں کہ تم جس اسلام پر قائم ہو، وہ دراصل "قرآنی اسلام" ہی نہیں ہے، یہ تو وہ زمانہ قبل قرآن کا مذہب ہے، اصل دین اور حقیقی اسلام تو میرے پاس ہے، فرماتے ہیں :-

"..... لیکن اس تیرہ سو سال میں مسلمانوں کا سارا زور اسی میں صرف

ہوتا رہا ہے کہ کسی نہ کسی طرح اسلام کو قرآن سے پہلے زمانے

کے "مذہب" میں تبدیل کر دیا جائے، چنانچہ وہ اس کوشش

میں کامیاب ہو گئے، اور آج جو اسلام دنیا میں مروج ہے

وہ زمانہ قبل قرآن کا مذہب ہو تو ہو، قرآنی دین سے اس کا

کوئی واسطہ نہیں....."

( "سیلم کے نام پندرہ سوال خط" صفحہ ۲۵۱ و ۲۵۲ )

پرویز صاحب کی اس عبارت سے ان عزائم اور اصل مشن کی پوری طرح وضاحت ہو جاتی ہے کہ وہ چاہتے کیا ہیں اور کس مقصد کو لے کر آئیں ہیں۔ "زمانہ قبل قرآن کا مذہب"

یا تو نصرانیت ہو گا یا یہودیت، یا کو اکب پرستی اور بت پرستی، یعنی کفر و مشرک تو پرویز صاحب

کے قول کے مطابق، جمہور امت یا تو نصرانی ہے، یا یہودی ہے، یا کافر و مشرک ہے، بہر حال

آج کے مسلمان "قرآنی اسلام" سے نا آشنا ہیں! مفتیوں اور عالموں پر سمیتیاں کسی جاتی ہیں

کہ وہ کفر کے فتوے صادر کرتے رہتے ہیں مگر ان کے کفر کے فتووں کا تعلق چند افراد یا حد سے

حد کسی ایک گروہ یا جماعت سے ہوتا ہے مگر پرویز صاحب نے تو تمام مسلمانوں کے



اسلام کو غیر معتبر اور قرآن کے خلاف ٹھیرا دیا۔

کوئی شک نہیں امت مسلمہ میں عمل و اعتقاد کی خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں مگر ساتھ ہی ان خرابیوں کی اصلاح کرنے والے اور ٹوکنے والے بھی تو ہر دور میں پائے گئے ہیں، مثلاً قبر پرستی اور دوسری مشرکانہ رسموں اور بدعتوں کے خلاف شدید احتجاج کیا جاتا رہا ہے اور آج بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ کام جاری ہے! پرویز صاحب کی اس دریدہ ہنسی کو دیکھئے کہ اس تیرہ سو سال کی مدت میں تابعین، تبع تابعین علوم قرآنی اور فقہ و حدیث کے امام اور کیسے کیسے صلحا، اہل تقویٰ، غازی، مجاہد اور صاحبان یقین و عزیمت اکابر گزرے ہیں، مگر پرویز صاحب کی نگاہ میں یہ سب کے سب (معاذ اللہ) "اسلام کو قرآن کے پہلے زمانہ کے مذہب میں تبدیل کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں..."

اور

پرویز صاحب کے بقول :-

"... وہ اس کوشش میں کامیاب ہو گئے، اور آج جو

اسلام دنیا میں مروج ہے، وہ زمانہ قبل قرآن کا مذہب ہو

تو ہو، قرآنی دین سے اس کا کوئی واسطہ نہیں"

تمام مسلمانوں کو بہ یک جنبش قلم بے دین ٹھیرا دینا، پرویز صاحب کے اس بغض و

نفاق کو ظاہر کرتا ہے، جو وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنے دل کے اندر رکھتے ہیں!

جو کوئی امام جعفر صادق، ابوحنیفہ، مالک، احمد بن حنبل، شافعی، سفیان ثوری، فضیل بن

عیاض، اوزاعی، غزالی، عبدالقادر جیلانی، ابن تیمیہ، مجدوالفنا ثانی، شاہ ولی اللہ رحمہم اللہ

تعالیٰ جیسے اکابر مسلمین کے "اسلام" کو نامہ تبر اور "زمانہ قبل قرآن کا مذہب" سمجھتا ہے







ہوتے ہیں، "تفویٰ" دراصل اجسام کو بے اعتدالی سے بچانے کا نام ہے، قرآن "صحت مند" انسان ہی کو "متقی" اور "صالح" کہتا ہے یہ مولوی اور ملانے "انسانی جسم" کی معجزمانی کا تصور بھی نہیں کر سکتے، یہ صحت مند اجسام ہی تھے جنہوں نے قیصر و کسریٰ کے تاج و تخت روند ڈالے، جو کوئی علم طب اور حفظانِ صحت کے اصول کو جانتا ہے، اور اس پر عمل کرتا ہے وہی قرآن کا سب سے بڑا عامل ہے، ہر ڈسپنسری، ہسپتال اور ہر لیبارٹری دراصل قرآنی علوم کی اکیڈمی ہے، یورپ نے قرآن کے اس راز کو پایا، اور وہ ترقی کی معراج پر جا پہنچا، مسلمانوں نے اس حقیقت کو پس پشت ڈال دیا، اور وہ ایک بیمار قوم بن کر رہ گئے....

(دہلم اجراء)

اس قسم کی منطق چھانٹنے اور فلسفہ بگھارنے کے بعد وہ شخص یورپ کے ڈاکٹروں کے اقوال پیش کرتا چلا جائے کہ صحت کا دل و دماغ سے کتنا قریبی تعلق ہے، اور صحت جسمانی اور صحت دماغی میں کس درجہ ربط ہے..... پر ڈیز صاحب نے "نظام ربوبیت" کے فلسفہ میں اسی ٹیک نیک سے کام لیا ہے، یہی انداز بیان ہے، یہی عجوبہ فکر ہے، جو افسانوی قالب میں ڈھلتی چلی گئی ہے، اور اس شخص کے دل میں جو خیال آیا ہے، اس کو وہ "قرآن" سے منسوب کرتا چلا گیا ہے! (اعوذ باللہ من اذالہفوات)

نگہ کی نامسلمانی سے فریاد!

قرآن کریم میں جگہ جگہ اور بار بار لفظ "اللہ" آیا ہے، اور اس لفظ

**تحریف و تلبیس** کا مفہوم متعین کرنے میں، مفسرین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے، پھر قرآن پاک کا ترجمہ دوسری زبانوں میں ہوا ہے، تو ان ترجموں میں بھی ہر مترجم نے "اللہ" کا ایک ہی جیسا ترجمہ کیا ہے، ایک عامی سے عامی مسلمان بھی "اللہ سے اللہ"



ہی مراد لیتا ہے، وہ جو اس کائنات کا خالق اور سب کا معبود اور رب ہے اور جس کے حکم کے بغیر ایک پتہ بھی جنبش نہیں کر سکتا۔

مگر

پروفیسر صاحب نے ”اللہ“ کا جو مفہوم سمجھا ہے، اور اس کی جو شرح کی ہے، اس کے چند نمونے ملاحظہ فرمائیے :-

”رضی اللہ عنہم وراضوا عنہ“ (انہوں نے قانونِ خداوندی سے موافقت

پیدا کر لی اور وہ قانون ان کا رفیق و یاور بن گیا)

(قرآنی نظامِ ربوبیت ص ۱۸)

اس آیت میں انہوں نے ”اللہ“ کا ترجمہ قانونِ خداوندی کیا ہے،

”ان اللہ هو الرزاق ذو القوۃ المتین“ (اللہ کا نظامِ رزق دینے والا اور بڑی قوتوں

والا ہے)

اس آیت میں بھی ”اللہ“ کا ترجمہ ”اللہ کا نظام“ کیا گیا ہے۔ (قرآنی نظامِ ربوبیت ص ۱۸۵)

”قرآنی نظامِ ربوبیت“ کے صفحہ ۱۴۶ پر ایک آیت (وَأَمَّا يُنْفَعُ النَّاسُ فِيمَكَتُّ

فِي الْأَرْضِ) کی تشریح کی گئی ہے، اس کے آخری جملے یہ ہیں :-

”یہ ہے وہ اصولِ کلی جس کے تحت یہاں کا کاروبار چلتا ہے،

باقی وہ رہ سکتا ہے، جو انفرادی مفادِ خویش کی بجائے، کلی

مفادِ انسانیت کا حامل ہو، یہاں ہر شے تغیر پذیر ہے،

بجز اس قانونِ ربوبیت کے جو زندگی کی ”فرادیوں اور

خوش حالیوں کا ضامن ہے“



اس تشریح کے بعد یہ آیت درج کی گئی ہے \_\_\_\_\_ مَكُلٌّ مِّنْ عَلَيْهِا فَاِنَّ ذَا  
 يُمْتَقِي وَجْهَ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ " تو اس آیت میں بھی مسٹر پرویز نے "وجہ  
 ربا" (یعنی ذات باری) سے "قانون ربوبیت" مراد لیا ہے !  
 اسی کتاب (قرآنی نظام ربوبیت) کے صفحہ ۱۱۶ پر "لَوْ كَانَ فِيهَا اِلَهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ  
 لَفَسَدَتَا" میں بھی پرویز صاحب نے "اللہ" سے "معاشی زندگی کا قانون" مراد لیا  
 ہے، کہتے ہیں :-

"کیا ان لوگوں نے اپنی معاشی زندگی (ارض) کے لئے  
 الگ الگ قوانین تجویز کر رکھے ہیں، جن کی یہ اطاعت کرتے  
 ہیں، اور ان کے سہارے اپنے معاشی پروگرام کو عام کرنا  
 چاہتے ہیں، اگر ان کی یہی روش ہے زندگی ہے، تو انہیں  
 سن رکھنا چاہئے کہ اگر انسان کی معاشی زندگی میں کوئی اور  
 قوانین نافذ ہوں اور کائناتی زندگی میں اور تو اس کا نتیجہ فساد  
 کے سوا کچھ نہ ہوگا!"

اور سنئے

"عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ" (.... لیکن قانونِ خداوندی ان محسوس نتائج کے  
 علاوہ، ان نتائج کا حامل بھی ہوتا ہے، جو تمہاری آنکھوں سے اوجھل ہوتے ہیں، اور جو  
 تمہاری مستقبل کی زندگی کو سنواتے ہیں) ( )  
 "عزیز" (پھر اس کا بھی یقین رکھنا چاہئے کہ اس قانون ربوبیت بڑی قوتوں کا مالک  
 ہے) "حکیم" اس لئے یہ نہیں ہو سکتا کہ دنیا کی کوئی قوت اس پر غالب آجائے اور اسے



نتائج مرتب کرنے سے روک دے، نہ ہی وہ خود اپنی جگہ سے ہل سکتا ہے۔

(قرآنی نظام ربوبیت ص ۱۲)

”الحمد للہ رب العالمین“ کا مطلب قرآن کریم کے اس عجیب و غریب نادر الوجود مفسر

کی زبان سے سنئے :-

”جس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں وہی معاشرہ مستحق تعریف و

استائش ہوگا، جو ”رب العالمین“ (تمام نوع انسانی کی ربوبیت)

کے محکم اصول پر قائم کیا جائے گا.....“

(سلیم کے نام بار سوال خط، ص ۱۹۴)

”اللہ“ کس قدر معروف و مشہور نام ہے، اس میں ذرہ برابر ابہام اور سچپیدگی

نہیں، ذو معنویت نہیں، کسی قسم کا تشابہ اور استعارہ نہیں، مگر پرہیز صاحب نے اس

مقدس نام (اللہ) کی جو کھلی ہوئی معنوی تحریف کی ہے، اس کی چند مثالیں اوپر گزر

چکی ہیں۔

بے شک یہ حق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے معنی اس کے قانون اور احکام کی

اطاعت اور فرمانبرداری کے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ کا قانون، اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرح، نہ الہ

ہے، نہ رب ہے اور نہ معبود ہے! قرآن کریم نور ہے، نسخہ ہدایت ہے، ضابطہ حیات

ہے، سہرا پاحق ہے اور اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا دستور زندگی ہے، اس کے ایک لفظ کا بھی

انکار کفر ہے، مگر قرآن کریم کو ان تمام خصوصیات کے باوجود نہ تو ”الہ“ کہہ سکتے ہیں

اور نہ ”رب“ اللہ تعالیٰ اور اس کا حکم و قانون رچا ہے وہ قانون ربوبیت ہی کیوں نہ

ہو، ذات و صفات کے اعتبار سے ”ایک“ نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ اور اس کے قانون ربو



کو ایک سمجھنا کتنی بڑی گمراہی اور غلط اندیشی ہے، کائنات کا خالق ارض و سموات کا پیدا کرنے والا، رازق، حی و قیوم، عفور و رحیم، حکیم و علیم اور عالم الغیب والشہادۃ، اللہ تعالیٰ ہے، اس کا قانون نہیں ہے۔

سنانے کی بات یہ ہے کہ سجدہ اللہ تعالیٰ کے حکم ہی کی اطاعت میں کیا جاتا ہے، کسے؟ اللہ تعالیٰ کو۔ اللہ تعالیٰ کے ”حکم اور قانون“ کو نہیں کیا جاتا۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے حکم پر چلنا ہی اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت ہے مگر معبود و رب اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اس کا ”حکم و قانون“ نہیں ہے! دو شخص ہیں ان میں سے ایک اللہ کے قانون کو ”الہ“ مانتا ہے اور دوسرا چاند سورج کو ”الہ“ سمجھتا ہے۔ ان دونوں کے موقف میں آخر کیا فرق ہے۔

عربی دانی اور قرآن نہیں تو بڑی چیز ہے، جو کوئی اردو زبان و ادب کا بھی صحیح ذوق رکھتا ہے اور ساتھ ہی فہم صحیح بھی، وہ ”عالم الغیب والشہادۃ“ اور ”حکیم“ سے اللہ تعالیٰ کا ”قانون“ کیسے مراد لے سکتا ہے، کیا ”عالم“ و ”حکیم“ کسی قانون، دستور اور ضابطہ کی صفت ہو سکتی ہے؟ کیا کسی قانون کو ”عالم“، ”حکیم“، ”سمیع“، ”بصیر“ اور ”عفور و رحیم“ کہا جا سکتا ہے!

مثلاً یوں تو کہتے ہیں :-

” وہ شاعر بہت ذہین ہے “

یا

” اس شاعر کی شاعری میں بڑی ذہانت پائی جاتی ہے “

مگر

59797



اس طرح کوئی نہیں کہتا۔

”اس شاعر کی شاعری ذہین ہے۔“

کیا کیا جائے کہ گفتگو ہی اس نہج پر چل پڑی ہے کہ ”فلسفہ و کلام“ کا انداز تحریر

میں آیا جا رہا ہے۔

— وہ یہ کہ —

اللہ تعالیٰ کی ذات ”صاحب ارادہ و شعور“ ہے، اس کا قانون اور حکم نہیں ہے، اس لئے ”عالم الغیب و الشہادہ“ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اس کے قانون اور حکم کو غیب و شہادت کا عالم ہرگز نہیں کہہ سکتے۔

عد ہو گئی کج فہمی اور غلط اندیشی کی کہ پرویز صاحب نے ”الحمد للہ رب العالمین“

کے سیدھے سادے مفہوم کو بھی تحریف معنوی کا ہدف بنا کر چھوڑا، فرماتے ہیں۔

”جس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں وہی معاشرہ مستحق تحریف و

ستائش ہو گا جو رب العالمین (تمام نوع انسانی کی ربوبیت)

کے محکم اصول پر قائم ہو گا۔“

(سلیم کے نام بارہواں خط ص ۱۹۴)

سمجھ میں نہیں آتا کہ پرویز صاحب کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے کیوں کہ ہے کہ قرآن کی جن

غیر متشابہ، واضح اور محکم آیتوں میں ”اللہ تعالیٰ“ کی ذات کے سوا، اور کسی شے کا تصور

کیا ہی نہیں جاسکتا، وہاں بھی وہ تحریف و تلبیس سے کام لیتے ہیں، اسی آیت (الحمد للہ

رب العالمین) میں انہوں نے ”رب العالمین“ سے ”معاشرہ“ مراد لیا ہے (توبہ،

استغفر اللہ)



یہ "نوع انسانی کی ربوبیت کے محکم اصول پر قائم ہونے والا معاشرہ" "مالک یوم الدین" بھی ہے اور اسی "معاشرہ" کی کیا اہل ایمان عبادت کرتے ہیں اور اس سے مدد چاہتے ہیں (ایک نعبد وایک نستعین) اور کیا اسی "معاشرہ" سے یہ دعا کی جاتی ہے کہ

«اهدنا الصراط المستقیم»

اللہ تعالیٰ کی جگہ "معاشرہ" کو رب العالمین، مالک یوم الدین، محبوب اور ہادی بنانے کا جو کارنامہ پرویز صاحب نے انجام دیا ہے اس کی مثال اسلامی تاریخ و ادب میں کہیں نہیں ملتی، یہ وہ گمراہی ہے جس کی خطرناکی کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا! (توبہ! توبہ! توبہ!)

جس شخص نے "اللہ" کے مفہوم کو بدل کر کچھ سے کچھ بنا دیا ہو، وہ قرآنی آیات کے ترجمہ اور تشریح و تفسیر میں جوشگونی بھی چھوڑ دے اور جو گل بھی کھلا دے، وہ تھوڑا ہے! یہ قرآن کی شرح و تفسیر کیا ہوئی قرآن کی معنوی تحریف ہوئی! اسے "تفسیر بالرأے" کہنا بھی اس لغویت اور خرافات کو وزن دینا ہے۔ یہ تو "تفسیر بالہوا" ہے! اس ذہن و فکر کی پرچھائیں بھی کسی پر پڑ جائے گی تو وہ دین کے معاملہ میں پرے درجے کا غلط اندیش ہو کر رہ جائے گا۔ یہی وہ نادان مفسرین ہیں جو لقبول علامہ اقبال قرآن کوتاویلات سے "پازند" بنا دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے بعد "نبی" کے ساتھ پرویز صاحب کا یہ معاملہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی "سنت" کو

نہتم نبوت کا انکار



دین میں حجت نہیں سمجھتے اور اُسے ایک تاریخی نوشتہ سے زیادہ وزن نہیں دیتے حالانکہ قرآن کریم میں بار بار "اللہ تعالیٰ کی اطاعت" کے ساتھ رسول اللہ کی اطاعت کا بھی حکم دیا گیا ہے (اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول — من یطع الرسول فقد اطاع اللہ....)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی "اطاعت" و "سنت" کی نفی کر دینے کے بعد "ختم نبوت" پر انہوں نے اس طرح ہاتھ صاف کیا ہے :-

"لیکن اُمم سابقہ اور نزول قرآن کے بعد کے دور میں ایک فرق ان سب سے گہرا اور اہم تھا، میں نے تمہیں کسی گوشہ خط میں بتایا تھا کہ ختم نبوت سے مراد یہ ہے کہ اب دنیا میں انقلاب شخصیتوں کے ہاتھوں نہیں، بلکہ تصورات (

Ideologies) کے ذریعہ رونما ہوا کرے گا، اور انسانی معاشرہ کی باگ ڈور اشخاص کی بجائے، نظام کے ہاتھ میں ہوا کرے گی، اسی حقیقت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ نزول قرآن (یعنی ختم نبوت) کے بعد اشخاص (INDIVIDUALS) کا دور ختم ہو گیا، اور ان کی جگہ امتوں کا دور شروع ہو گیا، اسی لئے قرآن میں ہے کہ ختم نبوت کے بعد فریضہ رسالت اور قرآنی معاشرہ کے لئے ایک امت کی تشکیل کر دی گئی (وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ

امتة وسطا لتكونوا شهاداء علی الناس نیز کنتہم خیر

أمتہ اخرجت للناس - (سلیم کے نام پندرہواں خط، ص ۲۵)







تصوّرات (Ideologies) کے ذریعہ رونما ہوا کرے گا؛ کس درجہ مضحکہ خیز اور واقعیت کے خلاف ہے، ان دماغوں کو کیا کہئے، جو اس قسم کی بے دانشی کی باتوں کو پڑھتے ہیں، اور ان سے متنفر ہونے کی بجائے، ان کا اثر قبول کرتے ہیں!

برائیں عقل و دانش بباہر گریست

سوال یہ ہے کہ یہ ”تصوّرات“ جن کے ذریعہ دنیا میں انقلاب پیدا ہوا کرے گا، آخر کیا ہوا میں پائے جائیں گے، یا پانی کی موجوں پر یا پھر ”تصوّرات“ (Ideologies) بادلوں کے ٹکڑوں، درختوں کی چھالوں اور پہاڑوں کی چٹانوں پر لکھے ہوئے ملا کریں گے! تصوّرات کا تعلق تو بہر حال میں انسانوں ہی کے ذہن و فکر اور دل و دماغ سے ہے،

————— تو پھر —————

انقلاب کے لئے ”شخصیتوں (زمینوں) کا دور ختم ہو گیا، یہ ”تصوّرات“ تو بہر حال انسانی ذہن و فکر ہی میں پائے جائیں گے؛ جن فلسفیانہ نکتوں کے ساتھ پرویز صاحب نے امت مسلمہ کے متفقہ عقیدہ ”ختم نبوت“ کی نفی اور تردید کی ہے، اس سے اس شخص کے عقیدہ، فکر، عزائم اور مشن کا اندازہ ہو سکتا ہے! ”نبوت“ کے جاری اور باقی رکھنے کے لئے جو نکتے مسٹر غلام احمد پرویز کو سوجھے ہیں وہ مرزا غلام احمد قادیانی کو کہاں سوجھے تھے!!

قرآن کریم میں بار بار ”قیام صلوٰۃ“ کا حکم آیا ہے

اس حکم کی شرح و تفسیر پرویز صاحب کی زبان

”الصَّلَاةُ“ کی تحریف

سے سنئے :-

”آج جبکہ مسلمانوں میں صلوٰۃ کا مفہوم صرف نماز، پرستش یا ہندی زبان میں پوجا پاٹ ہو کر رہ گیا ہے،



یہ سمجھنا دشوار ہے کہ ”قیامِ صلوٰۃ“ کا صحیح مفہوم کیا ہے  
 ہمارے ہاں ”قیامِ صلوٰۃ“ کا ترجمہ کیا جاتا ہے ”نماز قائم  
 کرو“ اور اس کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ نماز پابندی  
 کے ساتھ پڑھو، اور اس سے مقصود ہوتا ہے، خدا کی پرستش  
 اس لئے آج یہ بات بہ مشکل سمجھ میں آ سکتی ہے کہ اس ”پرستش“  
 کو ”معاشی امور“ سے کیا واسطہ! یہ شبہ کوئی نیا نہیں وحی  
 کی طرف سے ہمیشہ دین (نظامِ زندگی) ملتا تھا، لیکن اسے  
 انسان رفتہ رفتہ مذہبِ ردھرم میں بدل دیتے تھے،  
 اسی طرح دین کے وہ تمام عناصر جو نظامِ زندگی کے  
 ستون تھے، رفتہ رفتہ پوجا پاٹ میں بدل جاتے تھے،  
 اور ان کا انسانی زندگی سے کوئی واسطہ نہیں رہتا تھا،  
 یہی کچھ سابقہ اقوام نے کیا، اور یہی کچھ مسلمانوں سے ہوا

(قرآنی نظامِ ربوبیت ص ۱۸۵)

کوئی شک نہیں مسلمانوں میں طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں، کتنے ایسے مسلمان ہیں  
 جو اللہ تعالیٰ کے دین کو مکمل ضابطہٴ حیات اور نظامِ زندگی سمجھنے کی بجائے، اُسے چند  
 ارکانِ عبادت کا صرف مجموعہ سمجھے ہوئے ہیں، اور وہ نماز میں تو اللہ تعالیٰ کے  
 حکم کی تعمیل کرتے ہیں، لیکن زندگی کے دوسرے شعبوں میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل  
 سے گریزاور پس و پیش کرتے ہیں۔ مگر مسلمانوں نے یہ نہیں کیا  
 اور ہرگز نہیں کیا کہ ”صلوٰۃ“ حقیقت میں سچی تو کوئی اور چیز لیکن مسلمانوں نے اُسے



”نماز“ میں بدل دیا، قرآن پاک میں نماز کے اوقات کا اور وضو کا حکم آیا ہے، رکوع و سجود کا ذکر ہے، اس کا حکم ہے کہ ”صلوٰۃ“ (نماز) میں قرآن کریم کا کچھ حصہ تلاوت کیا جائے، تو وہ ”صلوٰۃ“ جس کے قیام کا قرآن میں حکم وارد ہوا ہے، جس میں اقامت و قعود ہے، رکوع و سجود ہے، تلاوت قرآن اور تسبیح و تہلیل ہے، اسی صلوٰۃ کو مسلمان ادا کرتے ہیں، نماز کے ان ارکان پر جو قرآن سے ثابت ہیں ”پوجا پاٹ“ کی سہیتی خود قرآن کریم پر طرز ہے۔

قرآن کریم ہی میں ”تبدیل قبلہ“ کا حکم آیا ہے کہ بیت المقدس کی بجائے کعبۃ اللہ کو نماز ادا کرنے (اقامتِ صلوٰۃ) کی جہت مقرر کیا گیا۔ تو یہ ”جہت قبلہ“ نماز کے لئے تبدیل کی گئی تھی یا ”معاشی نظام“ کا رخ بدلنے کے لئے اس جہت کو بدلا گیا تھا، قرآن کریم میں مسجد کا جو ذکر آیا ہے، تو یہ مسجد عہد رسالت میں نماز پڑھنے کے لئے بنائی جاتی تھیں یا ان میں بازار لگتے تھے اور خرید و فروخت ہوتی تھی۔ قرآن کریم حکم دیتا ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا فُورِي لِّلصَّلَاةِ

مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ

ر اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے پکارا

جائے، تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت

کو چھوڑ دو

اسی حکم کی تعمیل میں نماز جمعہ کے لئے پابندی کے ساتھ اذان دی جاتی ہے اور مسلمان جمع ہو کر، اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے (یعنی نماز ادا کرتے) ہیں، اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی



تعمیل پر کون صاحب ایمان اور ذمی ہوکس انسان "پوجا پاٹ" کی طنز کر سکتا ہے! پڑویا صاحب فرماتے ہیں کہ نماز (اللہ کی پرستش) کا تعلق معاشی امور سے ہے، مگر قرآن نماز ادا کرنے کے لئے "معاشی امور" (خرید و فروخت) کے چھوڑنے کا حکم دیتا ہے، اس قرآنی آیت سے کم از کم یہ تو ثابت ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "الصلوٰۃ" (نماز) کو "معاشی امور" پر ترجیح دی ہے۔ قرآن کریم کی اسی سورۃ میں آگے چل کر، ان مسلمانوں کو ٹوکا گیا ہے، جو جمعہ کا خطبہ چھوڑ کر کھیل تماشے اور معاشی امور (تجارت) میں منہمک ہو جاتے تھے۔

قرآن کریم کا وہ مفسر اور شراح جس کا دل خوف خدا سے لبریز ہوگا، اور جو قرآنی تعلیمات کو جانتا ہوگا "الصلوٰۃ" کی شرح کرتے ہوئے، مسلمانوں کو نصیحت کرے گا کہ "صلوٰۃ" دین کا بہت بڑا ستون ہے، لیکن مسلمانوں کی اکثریت ترکِ صلوٰۃ کر کے اس ستون کو ڈھائے دے رہی ہے، جو مسلمان نماز پڑھتے ہیں، ان میں بہت سے ایسے ہیں کہ جو پورے خضوع و خشوع اور توجہ کے ساتھ نماز نہیں ادا کرتے وہ نماز کیا پڑھتے ہیں بیگار سی ٹالتے ہیں، پھر "صلوٰۃ" کی جو تعریف قرآن میں آئی ہے کہ وہ فحش و منکر سے روکتی ہے، یہ چیز بھی نماز سے عام طور پر ظاہر نہیں ہو رہی ہے، نمازیوں کا عالم یہ ہے کہ

صنیں کج، دل پریشاں، سجدہ بے ذوق

کہ جذبہ اندروں باقی نہیں ہے

ایک نمازی کی عبادت ہی نہیں معاملات بھی درست ہونی چاہئے "حق اللہ" کی طرح "حق العباد" بھی اس پر فرض ہے، اس میں مالی ایثار کا جذبہ بھی ہونا ضروری ہے مسجدوں کے زیر سایہ بھی لوگ بھوکے اور ننگے رہیں، تو نمازیوں سے آخرت میں اس



غفلت کی سخت باز پرس ہوگی۔ صرف نماز پڑھ کر لوگ اس بھلا دوسے میں نہ رہیں کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حق ادا کر دیا، مسلمان کو اپنی پوری زندگی میں اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہونا چاہیے آج کے مادہ پرست دور میں بعض مسلمان ناداری اور غریبی کے سبب دوسروں کے ہتھے پڑھ کر اپنے دین و ایمان کو گنوا بیٹھتے ہیں، مسلمانوں کو چاہیے کہ ناداری اور محتاجی کو خوشحالی سے بدلنے کے لئے جدوجہد کریں کہ محتاجی (فقر) آدمی کو کفر کے قریب تک پہنچا دیا کرتی ہے۔!

اس انداز و اسلوب پر مسلمانوں کو نصیحت کی جائے، تو اس کے اچھے اثرات ظاہر ہوں گے، ایک طرف ”اقامتِ صلوٰۃ“ کی فرضیت اور اہمیت کا انہیں احساس ہوگا کہ دین کے جس پروگرام میں ”نماز“ شامل تہ ہو، وہ دین کا نہیں بے دینی کا پروگرام ہے، دوسری طرف نماز کے اوقات کے علاوہ، زندگی کے دوسرے کاروبار اور شعبوں میں بھی وہ احکام خداوندی کی تعمیل کی طرف مائل ہوں گے۔ یعنی یہ کہ ایک مسلمان کو چوبیس گھنٹہ ”مصلیٰ“ (نمازی) بن کر زندگی گزارنی چاہئے، جس طرح وہ نماز میں طہارت کا خیال رکھتا ہے، اور اللہ کے حکم پر رکوع و سجود کرتا ہے، اسی طرح پوری زندگی میں اس کو اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرنی ضروری ہے، اور اس کے فکر و خیال اور اعمال کو پاکیزہ و طاہر ہی ہونا چاہئے۔

مگر

پرویز صاحب کی تحریروں کے جو اقتباسات ادپرپیش کئے گئے ہیں، انہیں پڑھ کر ایک مسلمان کے دل سے ”صلوٰۃ“ کی اہمیت ہی جاتی رہے گی، وہ ”صلوٰۃ“ اور دوسرے ارکان دین کے مقابلہ میں ”معاشی امور“ کو زیادہ اہمیت اور ترجیح دے گا بلکہ ”معاشی امور“



ہی کو دین کی اساس سمجھے گا، پر ویر صاحب نے معاشی امور کو دین کا محور قرار دیکر دراصل کارل مارکس کے مشن کی تبلیغ کی ہے اور اس طرح دین کے ساتھ اور قرآنی تعلیمات کے ساتھ انہوں نے ظلم کیا ہے۔

سَلِّم کے نام تیرھویں خط میں (صفحہ ۲۱) پر ویر صاحب فرماتے ہیں :-

”سورۃ اعراف میں دیکھو، قانونِ خداوندی کے ساتھ

کامل تمسک کا دوسرا نام اقامتِ صلوٰۃ رکھا گیا ہے۔

والذین میسکون بالکتاب و اقاموا الصلوٰۃ ط انالانضیع

اجرا الحسنین۔

(متفق وہ ہیں) جو قانونِ خداوندی کے ساتھ پورا پورا تمسک

رکھتے ہیں، یعنی صلوٰۃ کو قائم کرتے ہیں، یہی وہ ہمواریاں

پیدا کرنے والے (مصلحین) ہیں جن کے اعمال ضرورتاً نیک و خیر

ہوتے ہیں)

تمسک بالکتاب یعنی قانونِ خداوندی کا عملاً اتباع

ناممکن ہے، جب تک کہ دین کا نظام عملاً جاری و ساری

نہ ہو، اور چونکہ اقامتِ صلوٰۃ بھی اسی نظام ہی سے

وابستہ ہے، اس لئے اقامتِ صلوٰۃ ناممکن ہے؛

بغیر تمکن فی الارض یعنی کسی خطہ زمین میں قرآنی حکومت

قائم کئے بغیر ناممکن ہے۔“

اقامتِ دین کے لئے تمکن فی الارض اور قرآنی حکومت کے قیام کی ضرورت بلکہ فرضیت



سے کون مسلمان انکار کر سکتا ہے، یہ جدوجہد تو جاری ہی رہنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی زمین پر اسی کا قانون چلے، اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو، اللہ تعالیٰ کا دین غالب ہو کر رہے، پورا معاشرہ قرآنی اخلاق کے قالب میں ڈھل جائے، قرآنی ضابطہ حیات اور اس منشور ہدایت و فلاح کے مقابلہ میں دنیا کے تمام دساتیر و قوانین پر خطِ تنسیخ پھیر دیا جائے۔ مگر یہ شرط قطعاً لغو اور بے بنیاد ہے بلکہ صلوٰۃ کی فرضیت کو باطل کرنے والی ہے کہ قرآنی حکومت کے بخیر اقامتِ صلوٰۃ ممکن ہی نہیں ہے۔ تاریخ و سیرا اس کی شہادت دیتے ہیں کہ مکہ معظمہ میں مسلمانوں کو تمکن فی الارض حاصل نہیں تھا۔ اور نہ وہاں قرآنی حکومت قائم تھی مگر اس تیرہ سال کی مدت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ برابر نماز پڑھتے رہے ہیں اس اقامتِ صلوٰۃ پر انہوں نے کافروں کی دی ہوئی طرح طرح کی اذیتیں برداشت کی ہیں، مگر کھل کر اور چھپ کر، نمازیں ضرور ادا کرتے رہے ہیں۔

پھر صحابہ کرامؓ تابعین اور تبع تابعین ہندوستان، چین اور دوسرے ملکوں میں پہنچے ہیں جہاں قرآنی حکومت کی جگہ کافرانہ نظام حکومت پر غالب تھا، وہاں بھی انہوں نے اقامتِ صلوٰۃ کے فریضہ کو نہیں چھوڑا، انہوں نے زمین کے ایسے خطوں میں مسجدیں بنائی ہیں جہاں دین کو تمکن فی الارض حاصل نہیں تھا، جو لوگ تمکن فی الارض اور قرآنی حکومت قائم کرنے کی جدوجہد میں "اقامتِ صلوٰۃ" کے فریضہ کو جان بوجھ کر پس پشت ڈال دیتے ہیں، وہ قرآنی حکومت تو کیا قائم کریں گے! مزدگ اور کارل مارکس کی تعلیمات کی اساس پر حکومت اور سوسائٹی قائم کر سکتے ہیں اور پرویز صاحب خیر سے یہی مشن لے کر اٹھے ہیں اور اسی اشرکیت زدہ "نظامِ ربوبیت"



کے لئے تنگ و دو فرما رہے ہیں۔

سعودی عرب میں ملوکیت کے باوجود نظام شریعت کو البتہ غلبہ حاصل ہے۔ —  
 ورنہ آج کی دنیا میں قرآنی حکومت کسی خطہ میں بھی نہیں پائی جاتی۔ مگر اللہ تعالیٰ کے فضل  
 سے مسلمان اپنی تمام کوتاہیوں کے باوجود فرضِ صلوٰۃ کی تعمیل سے غافل نہیں  
 ہیں۔ — لیکن پرویز صاحب کے نظریہ کے مطابق قرآنی حکومت  
 کے بغیر "اقامتِ صلوٰۃ" ممکن ہی نہیں ہے تو اس کا مفہوم اس کے سوا اور کیا  
 ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کی یہ نمازیں "اقامتِ صلوٰۃ" کے علاوہ کچھ اور چیز ہیں، اور  
 صدیوں سے مسلمان جو نمازیں پڑھ رہے ہیں، تو وہ معاذ اللہ کوئی ایسا کام کر رہے  
 ہیں، جس پر "اقامتِ صلوٰۃ" کا اطلاق ہی نہیں ہو سکتا۔ — یہ کیا فکر ہے، یہ  
 کیا ذہنیت ہے، سوچنے کا کیا طریقہ ہے؛ ممکن فی الارض اور قرآنی حکومت قائم کرنے  
 کی آڑ میں "اقامتِ صلوٰۃ" کی فرضیت کا اس طرح انکار، جو مسلمان نماز پڑھتے ہیں،

---

لے قرآنی نظامِ ربوبیت کے ص ۸۷ کے حاشیہ میں پرویز صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ —  
 "وہ اجتماعات جو اس مقصد کے لئے منعقد کئے جاتے ہیں (اور جنہیں موقتِ فرضیہ نماز کہا جاتا ہے)  
 ان کے لئے بھی قرآن نے یہی لفظ "الصلوٰۃ" استعمال کیا ہے وہ بھی اقامتِ صلوٰۃ میں شامل  
 ہیں" — صفحہ کے صفحے پرویز صاحب نے یہ بات دلوں میں اتارنے کے لئے  
 سیاہ کئے ہیں کہ "موقتِ فرضیہ نماز"۔ اقامتِ صلوٰۃ" کے علاوہ کوئی اور چیز ہے، کتاب کے  
 حاشیہ میں انہوں نے جو یہ ایک فقرہ لکھ دیا ہے، یہ اس تاثر کا ازالہ نہیں کر سکتا، جو وہ "موقتِ  
 فرضیہ نماز" کے خلاف دلوں میں پیدا کر چکے ہیں، زہر کے پیالوں پر (بقیہ نوٹ اگلے صفحہ پر



ان کو یہ باور کرانے کی کوشش کہ تم ایک عیثِ نعل کر رہے ہو، اور جو بد بخت نماز سے غافل  
 ہیں، ان کے اس گناہِ عظیم (ترکِ صلوٰۃ) پر انہیں مطمئن کرنے کی سعی کہ تم سے کوتاہی نہیں  
 ہو رہی ہے کہ تمکن فی الارض کے لغیر "اقامتِ صلوٰۃ" ممکن ہی کہاں ہے! —  
 مگر ابھی اور ضلالت کا یہ وہ مقام ہے، جہاں آدمی خود گمراہ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی  
 گمراہ کرتا ہے،

» اللہ « کی » ختمِ نبوت « کی » الصلوٰۃ « کی مسٹر پیوینز  
 نے شرح و تفسیر فرما کر، جس تحریف و تلبیس کا ثبوت

دیا ہے، اس کی مثالیں اوپر گزر چکی ہیں — اب ہم "چند قرآنی اصطلاحات"  
 کو پیش کرتے ہیں، جو مسٹر پیوینز کی کتاب "قرآنی نظامِ ربوبیت" کے باب چہارم  
 سے لی گئی ہیں۔

"حق" — کسی عمل کا تعمیری (Constructive) پہلو جو ٹھوس

نتائج کی شکل میں سامنے آئے اور اپنی جگہ پر اٹل رہے۔

(بقیہ نوٹ: صفحہ گزشتہ) پیالے پلا کر ایک آدھ چمکی سفوف سے بھلا اس زہر کا ازالہ ہو سکتا ہے۔ پھر یہاں  
 بھی انہوں نے گمراہ کن نکتہ شناسی سے کام لیا ہے وہ یہ کہ "موقتِ فریضہ نماز" کو "اقامتِ صلوٰۃ" کا ایک جز  
 ٹھیرا یا ہے، حالانکہ رسول اللہ نے "موقتِ فریضہ نماز" ادا کر کے ہی "اقامتِ صلوٰۃ" کے فریضہ کی تمیل فرمائی

تھی، اور اقامتِ صلوٰۃ کا یہ تواتر، قرآنِ کریم کے تواتر کی طرح ثابت ہے! "اقامتِ صلوٰۃ" کے محاسن اور اس کے  
 نتائج پر البتہ گفتگو کی جاسکتی ہے مگر قرآنِ کریم میں جس "اقامتِ صلوٰۃ" کا حکم آیا ہے، وہ ہی "موقتِ فریضہ نماز"

کی ادائیگی ہے! اور "نفسِ اقامتِ صلوٰۃ" میں دوسری چیز شامل نہیں ہے!



”باطل“ :- کسی عمل کا تخریبی (Destructive) پہلو، جو منفی نتائج پیدا کرے :-

حق و باطل کی پر دیز صاحب نے جو تعریف (Defination) بیان کی ہے، وہ بڑے الجھاؤں میں ڈالنے والی بات ہے۔ لغات القرآن جلد دوم مولفہ مولانا عبدالرشید نعمانی (میں ”حق“ کی جو تعریف کی گئی ہے وہ کس قدر واضح اور سلجھی ہوئی ہے :-

”حق کے اصلی معنی مطابقت اور موافقت کے ہیں، اور“  
اس کا استعمال چار طرح پر ہوتا ہے۔

(۱) اس ذات کے لئے جو اپنی حکمت کے اقتضائے کی بنا پر کسی شے کی ایجاد فرمائے، اللہ تعالیٰ کو اسی لئے ”حق“ کہا جاتا ہے ارشاد باری ہے :-  
”وَرَدُّوْاۤ اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰٓئِحُمُ الْحَقِّ“

(پھیریں جائیں گے اللہ کی طرف جو ان کا مالک حق ہے)  
اور فذالکم اللہ ربکم الحق (سو یہی ہے اللہ تمہارا پروردگار حق) (۲) ”وہ چیز جو حکمت کے مقتضی کے مطابق ایجاد کی گئی ہو، اسی اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کل فعل سن ہیں، چنانچہ ارشاد ہے :- هو الذی جعل الشمس ضیاءً والقمر نوراً وقدّرتہ منازل، لتعلموعدا والسنین والحساب ما خلق اللہ



ذالک الایا الحق ( وہی ہے جس نے بنایا سورج کو  
 روشن اور چاند کو اجالا، اور اس کی منزلیں مقرر کیں تاکہ  
 برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کرو، یہ سب اللہ نے نہیں  
 بنایا مگر حق کے ساتھ، یعنی چونکہ سورج کی چمک، چاند کی  
 دمک اور اس کی منزلوں کا تقرر تاکہ برسوں کا حساب اور  
 شمار ہو سکے۔ یہ سب حکمت الہی کے مقتضا کے مطابق  
 بنایا گیا ہے۔ اس لئے سب حق ہے۔ (۳) کسی شے کے  
 متعلق وہ اعتقاد رکھنا، جو نفس الامر کے مطابق ہو، چنانچہ  
 ہم کہتے ہیں کہ فلاں اعتقاد حق ہے، ارشاد ہے فہد اللہ  
 الذین آمنوا مختلفو فیہ من الحق یا ذہبہ (پھر اللہ  
 نے اپنے ارادہ سے ایمان والوں کو اس حق کی ہدایت  
 فرمائی، جس میں وہ جھگڑ رہے تھے) (۴) وہ قول یا فعل  
 جو اسی طرح واقع ہو، جس طرح یہ کہ اس کا ہونا ضروری ہے  
 اور اسی مقدار اور اسی وقت میں ہو کہ جس مقدار اور  
 جس وقت میں اس کا ہونا واجب ہے، چنانچہ قول حق  
 اور فعل حق اسی اعتبار سے کہا جاتا ہے، ارشاد ہے،  
 لکن حق القول منی لا ملئس جہنم (لیکن یہ بات  
 میری طرف سے ثابت ہو گئی کہ مجھ کو دوزخ بھرنی ہے  
 ”آیت شریفہ“ ولو تبع الحق اھواء ہم لفسدت



السموات والارض ومن فيهن (اور اگر پیر وی کر کے  
 حق ان کی خواہشوں کی تو آسمان اور زمین اور جو کوئی ان  
 کے بیچ میں ہے خراب ہو جائیں) میں حق سے ذات باری  
 تعالیٰ بھی مراد لی جاسکتی ہے اور وہ حکم بھی جو حکمت الہی کے  
 مقتضی کے مطابق ہو، یہ بھی واضح رہے کہ حق کا استعمال  
 واجب، لازم اور جائز کے معنی میں بھی ہوتا ہے، جیسے،  
 وكان حقاً علينا نصر المؤمنين (اور ہم پر ایمان والوں  
 کی مدد لازم ہے) اور كذلك حقاً علينا نصح المؤمنين  
 (اسی طرح ذمہ ہے ہمارا، ہم ایمان والوں کو بچاویں گے)  
 باطل یہ "غلط، ناحق، جھوٹ، حق کی نقیض اور ضد ہے،  
 جستجو کرنے سے جس چیز کے متعلق یہ پتہ چلے کہ وہ بے ثبات  
 ہے، اسی کو باطل کہتے ہیں، ارشاد ہے، ذالك بان الله  
 هو الحق، وان ما يذعون من دونه  
 هو الباطل (یہ بہ سبب اس کے ہے کہ اللہ تعالیٰ  
 ہی ہے حق ثابت، اور اس کے سوائے جس کو پکارتے  
 ہیں ناپید ہو جانے والا ہے) اور اسی اعتبار سے ہر قول یا

لہ "حق" عربی زبان اور قرآنی لغت میں کسی معنی میں استعمال ہوتا ہے مگر "اللہ" کے معنی صرف اس خدا  
 ہیں جو معبود ہے۔ رب ہے خالق ہے اور عالم الغیب والشہادہ ہے۔ (م - ق)



فعل جو بے ثبات ہو، باطل کہلاتا ہے، قول کی مثال، ثم  
 یلبسون الحق بالباطل (کیوں ملاتے ہیں صحیح  
 میں غلط) اور فعل کی مثال ”وہبط ما صنعوا فیہا  
 و باطل“ ما کانوا یعملون (اور ضائع ہو گیا،  
 جو کیا تھا، اس جگہ اور مٹ گیا، جو کچھ، عمل کرتے

تھے)

قرآن کریم کے مفسرین و شارحین اور قرآنی لغت جاننے والوں کی یہ شان ہوتی ہے  
 کہ وہ اپنی طرف سے قرآنی الفاظ کے لئے اصطلاحات نہیں گھڑتے اور سیدھی سادی  
 عام فہم بات کو چھیستاں نہیں بناتے، پرویز صاحب نے ”حق و باطل“ کی شرح،  
 تعمیری نتائج اور تخریبی نتائج سے جو کی ہے، اس نے حق و باطل کے مفہوم کو ابھرا  
 دیا ہے۔ انہوں نے جب ”نتائج“ کا ذکر کیا ہے تو یہاں ”آخرت“ کا ذکر کرنا  
 ضروری تھا کہ حق و باطل کے تمام نتائج اس دنیا ہی میں ظاہر نہیں ہو جاتے، اور  
 اگر حق و باطل کے لئے دنیوی نتائج کو معیار قرار دیا جائے تو حق و باطل ملتبس ہو کر  
 رہ جائیں گے، مثلاً کمیونزم کے بعض تعمیری نتائج آج سامنے آرہے ہیں، تو کیا انہی  
 کو ”حق“ سمجھ لیا جائے، جھوٹ کو اس دنیا میں خاصہ فروغ حاصل ہوتا ہے، تو اس  
 فروغ کے سبب جھوٹ کو کیا ”تعمیری“ کہہ سکتے ہیں؟

آج کی دنیا میں عورتوں کے حُسن کے نیم عریاں مقابلے ہوتے ہیں، اور جس ملک  
 کی عورت اس انتخاب میں آجاتی ہے، بین الاقوامی دنیا میں اس ملک کا بڑا پروپیگنڈہ  
 ہوتا ہے۔۔۔۔۔ تو ملکوں اور حکومتوں کے ”تعارف و شہرت“ کے اعتبار







تفسیر و تشریح میں اسی مارکسی فکر سے کام لیا ہے بلکہ اس کی ترجمانی کی ہے، اور اس طرح اللہ کے کلام کو "ژندپاژند" بنا دیا ہے۔

ہم اوپر کہہ چکے ہیں کہ قرآن کریم میں "فضل" رزق کی فراوانی اور معاشی سہولتوں کے لئے بھی وارد ہوا ہے، مگر پرویز صاحب نے اس اصطلاح کی ترجمانی اور تشریح میں "جزء" کو "کل" اور "فرع" کو "عین" قرار دیا ہے، جو معانی و بیان کے نقطہ نگاہ سے بھی غلط ہے۔

"فضل" کے معنی ہیں ————— بھلائی کرنا، بڑھنا، مہربانی کرنا،

احسان، زیادتی (زائد ہونا)، ترجیح دینا..... ۱۰۔۔۔۔۔

سامنے کی بات یہ ہے کہ جب ہم کہتے ہیں وہ شخص "افضل" ہے، تو کیا اس سے صرف یہ مراد ہوتی ہے کہ شخص مذکور مال و دولت اور رزق و معاش میں بڑھا ہوا ہے، علم و اخلاق اور سیرت و کردار کی فضیلت کو کس طرح نظر انداز کیا جاسکتا ہے! نیکی کی ہدایت اور ایمان و اخلاق کی دولت اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا فضل ہے۔

قرآن کہتا ہے: تِلْكَ الرَّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ مِنْهُمْ  
مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ ط وَآتَيْنَا عِيسَىٰ بِنَاصِرٍ  
الْبَيْتِ وَأَيَّدْنَا لَهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ط

یہ سب، رسول ہیں کہ فضیلت دی ہم نے ان میں سے بعض کو بعض

پر (ان میں) کوئی تو وہ ہے جس سے اللہ نے کلام فرمایا اور بلند کئے

بعضوں کے درجے! اور ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو کھلے ہوئے معجزے

دیئے اور روح القدس کے ذریعہ اس کو قوت دی



اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کی "فضیلت" (ان پر فضل فرمانے) کا بیان کرتے ہوئے، معاشی سہولتوں کا ذکر نہیں کیا، ایک اور آیت ہے یہ  
 "وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ - مَا زَكَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ أَبَدًا"  
 اور اگر نہ ہوتا، اللہ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت، تو تم میں سے ایک  
 شخص بھی نہ سنورتا)

اس آیت میں سیرت و کردار کی تقدیس اور نفس کے تزکیہ کو اللہ تعالیٰ کے "فضل" کا سبب بتایا گیا ہے۔ اور۔۔۔۔۔

"وَلِبَشَرِ الْمَوْتِينَ بَأَنَّ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ فَضْلًا كَبِيرًا ط -

اور مسلمانوں کو خوشخبری سنا دے کہ ان کے لئے اللہ کی طرف سے بڑی بزرگی ہے)

اس آیت میں "فضل" سے مراد دنیا اور آخرت کی بزرگی اور برتری ہے اور اس میں  
 جسم و روح اور معاش و اخلاق کی تمام اچھائیاں شامل ہیں -  
 "طیبات" - "زندگی کی خوشگواریاں"

(قرآنی نظام ربوبیت)

"طیبات" میں زندگی کی خوشگواریاں بھی شامل ہیں، مگر اس قرآنی اصطلاح  
 (طیبات) کا مسٹر پرویز نے جو ترجمہ کیا ہے، اُسے پڑھ کر انسان میں نیکی کا کوئی داعیہ  
 یا جذبہ پیدا نہیں ہوتا! بلکہ اس ترجمہ میں غلط فہمیوں اور غلط کاریوں کے لئے رشتے اور  
 گنجائشیں موجود ہیں، مثلاً یہ - - - - - کوئی شخص تھوڑی سی شراب پی کر،  
 جس سے سُکر پیدا نہ ہو اور ناچ گا کر زندگی کو خوشگوار بناتا ہے تو پرویز صاحب کے  
 نقطہ نگاہ سے وہ قرآن کی اصطلاح - طیبات - سے صحیح خاندہ اٹھاتا ہے،



اور آج کی دنیا میں "طیبون" مغرب اور روس کے رہنے والے ہیں، جو زندگی کی خوشگوار یوں سے پورا پورا فائدہ اٹھا رہے ہیں۔۔۔! یہ اندازِ فکر قرآنی فکر کی نقیض اور ضد ہے۔۔۔ تو بہ!

"طیبیت" ستھری اور پاک چیزوں کو کہتے ہیں! مثلاً ایک عورت ناچ گا کر پیشہ کر کے اپنی زندگی کو خوشگوار بتاتی ہے، تو پرویز صاحب نے اس قرآنی اصطلاح کا جو ترجمہ کیا ہے اس کے لحاظ سے اس عورت کا یہ فعل "طیبات" (زندگی کی خوشگوار) میں داخل ہے مگر قرآنی نقطہ نگاہ سے وہ "طیب" نہیں "نجیث" فعل ہے۔  
 "طیب" نعمتوں اور لذت و خوشگوار می کی اشیاء کے ساتھ نیکیوں کو بھی کہتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو بھی! قرآن پاک میں "طیبون" (طیب کی جمع بحالت رفع) سے پاکیزہ اور مروان نیکیوں کا مراد ہیں! "طیب" کے مفہوم میں "پاکیزگی" بہر حال شامل ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے :-

«المومن اطیب من عملہ والکافر اخبث من عملہ»  
 (مومن اپنے عمل سے بھی زیادہ پاکیزہ ہے، اور کافر اپنے عمل سے بھی زیادہ نجیث ہے)

عربی کا محاورہ ہے :-

«هَذَا طَيْبٌ لَكَ» (یعنی یہ تمہارے لئے حلال ہے)

تو "طیبیت" سے زندگی کی وہ خوشگواریاں مراد ہیں، جو اللہ اور رسول کے نزدیک حلال

لے "طیب" خوشبو کو بھی کہتے ہیں۔ اس محاورہ میں "طیب" کی "می" مشدد نہیں ساکن ہے۔



اور جائز ہیں، پرویز صاحب نے اس اصطلاح کا ترجمہ اپنی افتادِ طبع کی بنا پر خالص مادی نقطہ نگاہ سے کیا ہے، جس میں حلال و حرام کا اشارہ تک نہیں کیا۔ اس فکر و مزاج سے اللہ تعالیٰ کی پناہ!

”اعمالِ صالحہ“ کا ترجمہ اور اس کی تشریح پرویز صاحب نے یوں کی ہے۔

”انسانی ذات اور معاشرہ میں ہمواریاں پیدا کرنے والا  
پروگرام وہ اعمال جو انسان کی صلاحیتوں کو ابھار کر نشوونما

دیں“

نیکی، تقویٰ، صالحیت..... اس قسم کے تمام لفظوں سے پرویز صاحب کو چھوڑ  
ہے، نیکو کاری کا کوئی تصور ہی وہ ذہن و قلب میں پیدا کرنا نہیں چاہتے اور ”خشیت الہی“  
کا کوئی خانہ ان کے مرقع افکار میں سرے سے پایا ہی نہیں جاتا، انہوں نے ”اعمالِ صالحہ“  
کی جو ترجمانی فرمائی ہے، اس کے آخری جز کی رُو سے تو ایک بُت تراش، بُت بنا کر اور  
صنم تراش کر، ”صالح“ ہونے کا دعوے کر سکتا ہے کہ اس طرح اس نے اپنی ”صلاحیتوں“  
کو ابھارا ہے، یہ فلموں کے ایکٹر اور ایکٹریس اور کلب گھروں اور ڈانسنگ ہالوں کے  
رقاص، یہ سب کے سب ”عمل صالح“ ہی کے تحت اپنی صلاحیتوں کو نشوونما دے رہے  
ہیں، اور یہ ”آرٹ سرکل“ *Art circles* عملِ صالح کے سب سے

بڑے مراکز ہیں.....! (نعوذ باللہ من ہذہ الفکر والصفیات)

”تقویٰ“ کا ترجمہ اور مفہوم پرویز صاحب نے ان لفظوں میں کیا ہے۔

”معاشی پروگرام کو مستقل اقدار (قانون خداوندی) کیساتھ

لہ پرویز صاحب نے معاشی پروگرام اور مستقل اقدار کی جس انداز میں اپنی کتابوں میں تشریح کی ہے وہ بہت کچھ

ان کے ذہن و فکر کی پیداوار ہے!



ہم آہنگ رکھنا اور اس طرح فرد اور معاشرہ کو خوف اور حزن

سے محفوظ کر لینا۔

کوئی شخص نہ نماز پڑھے، نہ روزہ رکھے، نہ حج کرے، بس "معاشی پروگرام" کو مستقل اقدار کے ساتھ ہم آہنگ رکھ سکے تو پرویز صاحب کی نگاہ میں وہ "صاحب تقویٰ" ہے۔ "تقویٰ" کے لئے ان کے یہاں فکر و خیال کی طہارت اور سیرت و عمل کی پاکیزگی کی کوئی شرط اور پابندی نہیں ہے، کوئی شخص عورتوں سے پیشہ کرا کے اور انہیں چکلے میں بٹھا کر، اگر معاشی پروگرام کو متوازن رکھ سکتا ہے تو اسے صاحب تقویٰ کہا جائے گا۔ کسی حکومت کے ہر شعبہ میں سود ریا، کاروبار ہوتا ہو، شراب اور قمار بازی کا ٹیکس اس کی آمدنی میں شامل ہو اور اس آمدنی سے معاشی پروگرام کو تقویت ملتی ہو، تو مسٹر پرویز کی زبان میں اسے تقویٰ کہہ سکتے ہیں، ان کے نقطہ نگاہ سے متقین کا سب سے بڑا امام اور پیشوا کارل مارکس گزرا ہے، جس نے معاشی پروگرام کے سوا اور کوئی چیز پیش ہی نہیں کی، ہم اس حقیقت کے منکر نہیں ہیں کہ ایک تقویٰ انسان کو معاشرے کی معاشی فلاح کی بھی فکر کرنی چاہئے مگر صرف "معاشرے کی معاشی فلاح" ہی تو "تقویٰ" نہیں ہے ایک شخص معاشی پروگرام کے ذریعہ معاشرے کو متوازن بنانے کی تگ و دو کرتا ہے مگر ساتھ ہی شراب پیتا، جوا کھیتا اور بد کاری کرتا ہے۔ تو کیا ایسے شخص کو "صاحب تقویٰ" کہہ سکتے ہیں، پرویز صاحب کے نقطہ نگاہ سے روس اور امریکہ کی حکومتیں "تقویٰ" کے تقاضوں کو پورا کر رہی ہیں کہ وہاں فرد اور معاشرہ کو ہر قسم کی معاشی سہولتیں حاصل ہیں۔

عربی کی مشہور متداول لغت "المعجم" کا مولف ولولس معلوف عیسائی ہے، اس



تکسانے "التقویٰ" کی ترجمانی یوں کی ہے۔  
 "مخافة الله والعمل بطاعته"

اللہ کا خوف اور اس کی اطاعت و حکم کے مطابق عمل،  
 دراصل قرآن میں "تقویٰ" ان معنوں میں استعمال ہوا ہے :-  
 "نفس کو ہر اس چیز سے بچانے کا نام ہے، جو گناہ کی  
 طرف لے جائے، یہ بات ممنوعات کے اجتناب سے

حاصل ہوتی ہے!" (لغات القرآن)

جو شخص "معاشرہ" کو "اللہ" اور "رب العالمین" سمجھتا ہو، اس کی قطع و بید، تاویل و  
 تحریف اور تفسیر بالہوار سے قرآن کی دوسری اصطلاحات کس طرح محفوظ رہ سکتی ہیں۔  
 دعوت و اصلاح

معاشی مسائل کی ضرورت اور اہمیت کے ہم منکر نہیں ہیں۔

— اور —

یہ بھی درست ہے کہ معاشیات کا انسانی زندگی سے بہت گہرا تعلق ہے، اور  
 "دین" سے معاشیات کو "دنیوی امور" کہہ کر خارج نہیں کیا جاسکتا کہ اسلام "دین و دنیا"  
 کے مجموعہ کا نام ہے، "حق اللہ" اور "حق العباد" اسلام میں ساتھ ساتھ چلتے ہیں،  
 "جسم اور روح" ان دونوں کے جائز تقاضے پورے ہونے چاہئیں!

جو کوئی اپنے اندر اللہ کا خوف، امت کی فلاح کا جذبہ، قرآن کی صحیح فہم اور  
 دینی اقدار کا شعور رکھتا ہوگا، وہ مسلمانوں کو اس انداز میں نصیحت کرے گا کہ وہ "حق اللہ"  
 کے ساتھ "حق العباد" کو بھی پہچانیں! خالص معاشی مسائل کی اہمیت جتنا تے ہوئے



بھی، قرآنی اخلاق اور دینی ارکان و فرائض کی ضرورت اور ان کے وزن کو ہلکانہ ہونے دے گا؛ مسلمانوں کو مال و دولت کے انفاق اور ایشیا کے لئے یقیناً ابھارا جائیگا کہ وہ اپنے نفس اور اپنے گھر بار والوں کی غور و پیردائخت اور پرورش کے ساتھ مخلوق خدا کے انسانی حقوق بھی ادا کریں، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نماز، روزہ اور دوسرے ارکان کے ساتھ اس کی باز پرس کرے گا کہ تم نے اپنی زندگی کن کاموں میں صرف کی تھی، تمہارا مال کس کام آیا تھا اور دوسری تو انائیوں سے تم نے کیا کام لیا تھا، مال کو سینت کر اور جوڑ جوڑ کر رکھنا اور انفاق فی سبیل اللہ سے جی چرانا، بہت بڑا گناہ ہے، قارون اور شائیلک کی ذہنیت، اسلام سے ہرگز میل نہیں کھاتی۔ اس کے ساتھ اسلام کی سادگی کو واضح کیا جائے گا کہ وہ شاہانہ کرو فر اور دکھاوے کے سٹاٹ باٹ کی زندگی کو پسند نہیں کرتا، زندگی میں سادگی آجانے سے معاش کے بعض مسائل آپ ہی آپ حل ہو جاتے ہیں اور وہ اس طرح کہ زندگی کی بعض مصنوعی ضرورتیں غیر ضروری قرار پاتی ہیں!

عوام کے ساتھ ارباب اقتدار سے یوں کہنا چاہئے کہ وہ خلفاء راشدین کی مقدس زندگیوں کو اپنے سامنے رکھیں، یہ نفوس قدسیہ اپنی ذات پر کم سے کم خرچ کرتے تھے اور اپنے کو قوم کا خادم سمجھتے تھے، وہ جس اسلامی حکومت کی زمام سنبھالے ہوئے تھے، اس حکومت کے مداحل (income) میں کوئی ایسی مد شامل نہ تھی، جس میں ان ذریعوں سے مال و دولت آتا ہو، جن کو اسلام ناجائز قرار دیتا ہے، اسی طرح ان کی حکومت کے مخارج (expenditure) بھی نیک، حلال اور جائز امور میں صرف ہوتے تھے، رعایا کی زیادہ سے زیادہ معاشی



فلاح اسلامی حکومت کے فرائض میں داخل ہے، معاشی امور کی تدبیر کے ساتھ اسلامی حکومت عوام کی اخلاقی تربیت کی بھی ذمہ دار ہوتی ہے۔

اسی انداز پر اگر قوم اور اس کے اکابر کو مخاطب کیا جائے اور اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کی طرف بلایا جائے تو قوم کی پسندیدہ طور پر اصلاح ہو سکتی ہے اسلام کے کسی ایک جز یا ضرورت کو، تمام دوسرے اجزاء اور ضرورتوں پر اس طرح غالب کر دینا، کہ دوسرے فرائض کی اہمیت ہی دلوں سے نکل جائے اور یہ ایک جز یا ضرورت ہی دین و دنیا کی سب سے بڑی حقیقت اور ضرورت ٹھہرائے، نہ عقلاً درست ہے اور نہ دینی نقطہ نگاہ سے پسندیدہ ہے۔ \_\_\_\_\_ مثلاً

کوئی شخص قرآن کی صرف ان آیات ہی کو پڑھ پڑھ کر لوگوں کو سنایا کرے، جن میں مغفرت، شفاعت اور جنت کی بشارت دی گئی ہے اور صرف ”بشیر“ ہی کو اپنا موضوع بنالے، تو اس مبالغہ اور یک رخ، تعلیم و تبلیغ کا یہ نتیجہ نکلے گا کہ لوگوں کے دلوں میں خوف خدا کا جذبہ سرد پڑتا چلا جائے گا، اسی طرح صرف ان آیتوں کی تلاوت اور تعلیم سے جن کا تعلق ”تذیر“ اور ”وعید“ سے ہے، مسلمانوں کے دلوں میں سخت مایوسی اور بددلی پیدا ہو جائے گی صحیح تدبیر اور ایمانی فراست یہ ہے کہ بشارت اور وعید دونوں کی اس حسن تناسب اور اعتدال کے ساتھ تعلیم دی جائے کہ قلب مومن ”بیم ورجا“ کے درمیان دھڑکتا رہے، اسی لئے تو خدا کے آخری نبیؐ کو بشر کے ساتھ مندر بھی بنا کر بھیجا گیا تھا۔

صرف صبر کی تعلیم دینے سے، دلوں سے عزیمت کے رخصت ہو جانے کا امکان ہے، صرف تنہا وریا دلی پر لوگوں کو ابھارنے سے اسراف و تبذیر کی طرف



لوگوں کا میلان ہو جائے گا، صرف جسم کی صحت کو موضوع فکر و نظر بنانے سے روح کے تقاضے نظر انداز ہو جائیں گے، مقصد عرض کرنے کا یہ ہے کہ دین و دنیا کی ہر ضرورت، نیکی، فریضہ اور اس کے وظیفہ عمل (Function) کو حُسن تناسب کے ساتھ پیش کرنا چاہئے اور اس کو اس کے فطری اور جائز مقام پر رکھنا چاہئے!

بے شک غزوہ تبوک کے موقعہ پر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنا تمام مال و دولت اور حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی نصف دولت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دی تھی۔ اس اشارہ کا ذکر کرتے ہوئے، یہ حقیقت بھی تو پیش نظر رکھنی بلکہ سامنے لانی چاہئے کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی ایک وقت کی بھی نماز قضا نہ ہوتی تھی، راتوں کو وہ سجدوں میں اللہ تعالیٰ کے حضور روتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک ادا کی ہو ہو نقل اتارنے کا اپنے امکان کی حد تک اہتمام کرتے تھے! اس دور سعید کا مقدس معاشرہ معاشی مسائل کی بنیاد پر نہیں کتاب و سنت اور اخلاق و تقویٰ کی بنیادوں پر استوار تھا اور کتاب و سنت کے اتباع نے ان کے معاشی مسائل کو بھی درست کر دیا تھا، اس قرآنی معاشرے میں نہ تو ناچ گانے کی محفلیں جمتی تھیں اور نہ عورتوں کے سُن کے مقابلے ہوتے تھے، اور نہ سودی کاروبار ہوتا تھا، مرد و زن کے آزادانہ اختلاط کیلئے اس پاکیزہ معاشرے میں سرے سے کوئی گنجائش ہی نہ تھی

توجہ کوئی بھی

ملت کی اصلاح کا حقیقی جذبہ اپنے اندر رکھتا ہوگا، وہ ملت کو "معاشیات" کی طرف نہیں بلکہ عہد رسالت اور در خلافت راشدہ کے پاکیزہ قرآنی معاشرے کی طرف بلائے گا کہ یہ وہ مثالی معاشرہ تھا جس میں دین و دنیا کا صحیح توازن پایا جاتا تھا، اس قرآنی معاشرے نے ایسے صاحب تقدی اور اہل عزیمت انسان پیدا کئے تھے جنہوں نے دنیا کی سب سے بڑی جاہلیت



کی حکومتوں کو شکست دے کر اسلامی حکومت قائم کی تھی اور روم و ایران کی حکمرانوں کی تہذیب اپنی تمام  
 دلچسپیوں اور رنگینیوں کے باوجود انہیں متاثر نہ کر سکی تھی یہ ان فہمندانوں اور کشورکشادوں کا معجزہ  
 تھا، جن کی پیشانیوں پر سجدوں کے نشان چمکتے تھے، جو اطاعتِ رسولؐ کے جذبہ سے سرشار تھے  
 اور زمانہ جن کی عفت و عصمت، پاسِ عہد، وفا، صدق و امانت اور اخلاص و بے نفسی کی قسم کھاتا تھا  
 اور دنیا میں نیکی جن کے نام اور کام سے پہچانی جاتی تھی۔

مگر

جناب پرویز جس نام نہاد "قرآنی معاشرے" (۱۹۹۹ء) کی تشکیل کا نعرہ لگا رہے ہیں، وہ معاشرہ  
 عہد رسالت اور خلفت کے معاشرے سے بالکل مختلف ہے، پرویز صاحب مسلمانوں میں جس  
 معاشرے کا قیام چاہتے ہیں، اس کو تقویٰ سے، صالحیت سے، خشیتِ الہی اور آخرت کی  
 ذمہ داری اور جواب دہی سے کوئی واسطہ نہیں، اس کی روح اور مصدر و منبع صرف "معاشیات"  
 اور مادی تقاضے ہیں، یہ وہی اندازِ فکر ہے جس نے مارکس، فرانک اور ڈارون کی عقل و فکر کو  
 انسانیت کے لئے عذاب بنا دیا۔

"زر، زن، اور زمین" کی اشتراکیت کا فلسفہ سب سے پہلے مرڈک نے پیش کیا تھا،  
 جس میں کارل مارکس نے ہیگل کی "جدلیات" کا پیوند لگا کر ایک مستقل فلسفہ بنا لیا، یہ فلسفہ  
 مجوسیت اور یہودیت کا مرکز اتصال اور سنگم ہے۔ پرویز صاحب نے اسی  
 مجوسی معاشی نظریہ اشتراکیت اور یہودی "نظامِ ربوبیت" کو اپنی کتابوں میں پیش کیا ہے  
 اور اس کے لئے انہوں نے قرآن کی مشہور و معروف اور محکم اصطلاحات میں ایسی ایسی تخریفات کی  
 ہیں کہ ایمان لرز جاتا ہے، شاعروں کے شعروں کی شرح میں شارحین جس ذمہ داری سے کام  
 لیتے ہیں، پرویز صاحب نے قرآن کی شرح میں اتنی ذمہ داری کا بھی ثبوت نہیں دیا۔ قرآن کریم



کو وہ اپنے تلاشے ہوئے نظریوں کی تہراد پر چڑھاتے چلے گئے ہیں، قرآنی آیات کی تاویل میں صاحب موصوف، باطنی ملاحظہ سے بھی منزلوں آگے نکل گئے ہیں!

زبان و قلم کی زیادہ سے زیادہ آزادی کے ہم قائل ہیں، مگر پڑوسی صاحب اس آزادی سے فائدہ اٹھا کر قرآن کریم کی جو معنوی تحریف کر رہے ہیں اور قرآنی احکام کی ”روح“ کو بیٹے دے رہے ہیں، اس کے بارے میں ہم چند اجمالی اشارے کئے دیتے ہیں۔

”فوجی قانون“ کی شرح اور اس کی اصطلاحات کی ترجمانی کوئی شارح اس انداز پر کرنے لگے۔

”پریڈ (Parade) نام ہے عسکری روح کو متحرک رکھنے

کا؛ جیسے لوگوں نے اپنی نادانی سے اورزش، ڈرل اور صبح سویرے

اٹھ کر لفٹ لائنٹ کرنے سے بدل دیا؛ عسکری روح کو متحرک رکھنے

کے لئے اس کی ضرورت ہے کہ فوجیوں کے اندر نشاط انگیز ولولہ موجزن

رہے اور یہ نشاط چاہے انہیں پانی میں تیر کر ”گھوڑے پر چڑھ

کر سبزے پر ٹہل کر، گاناسن کر یا خود گانا گاکر اور ناچ کر یا تاش

اور شطرنج کھیل کر حاصل ہو، بہر حال ”نشاط“ کا حصول ضروری

ہے؛ عسکریت اور نشاط یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔

ملٹری یونیفارم (military uniform) کو

کسی مخصوص لباس اور وردی میں محدود کر دینا، فوجیوں کے

جذبہ آزادی کو طوق و زنجیر پہنا دینے کے مترادف ہے؛

”ملٹری یونیفارم“ کہتے ہیں۔ ”قومی انفرادیت کے امتیاز کو

یعنی فوجیوں کی تنظیم اور ان کے اجتماعی کردار کو دیکھ کر،







کی تفہیم میں کوئی مدد نہ لوں گا اور جو کچھ سمجھوں گا اس کو قلم بند کرتا چلا جاؤں گا۔ اس شخص کے اندر خلوص بھی ہو تو اسے قرآن کریم کی شرح و تفسیر میں اگرچہ جا بجا شدید ٹھوکریں لگیں گی، اور طرح طرح کی غلطیاں اس سے سرزد ہوں گی مگر قرآن کی معنوی تحریف کی وہ شخص دانستہ جرات نہ کر سکے گا۔ لیکن پرویز صاحب نے یہ کیا ہے کہ پہلے انہوں نے چند نظریے وضع کئے ہیں، پھر قرآن کریم کو ان نظریوں کا تابع بنا کر قرآن کی تفسیر فرمائی ہے، جس کا نتیجہ لازمی طور پر یہی نکلنا چاہئے تھا کہ قرآن کریم کی تعلیمات مجروح اور قرآن کی معنویت محرف ہوتی چلی جائے۔ وہ قرآن کریم کے پیچھے چلنے کی بجائے، قرآن کریم کو اپنے افکار و تصورات کے پیچھے چلانا چاہتے ہیں۔

قرآن کریم سمجھنے میں سب سے زیادہ مستند و معتبر چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ہو سکتی ہے کہ خود قرآن کریم اس کی شہادت دیتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تلاوت قرآن کے علاوہ کتاب و حکمت کی تعلیم اور تزکیہ نفس کے لئے بھی مبعوث اور مامور فرمایا تھا، بالکل سامنے کی بات ہے کہ جس فات گرامی پر قرآن نازل ہوا تھا، قرآن کے منشاء اور مفہوم کو اس سے بہتر کون سمجھ سکتا ہے۔

مگر

پرویز صاحب نے سب سے پہلے ”کتاب و حکمت کی تعلیم“ یعنی سنت نبویؐ ہی پر ہاتھ صاف کیا، اور احادیث کو ایک قلم بے اعتبار ٹھیرایا، اور عجیبی سازش سے تعبیر کیا، اب رہے صحابہ کرام جو خود عاملین قرآن بھی تھے اور وحی الہی کے مخاطبین اولین بھی تھے اور خود مہبط وحی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے تربیت یافتہ اور سنوارے ہوئے بھی تھے،



ان کے اقوال و آثار اور مسلک و زندگی کا قرآن کریم کی تفہیم اور عملی تعلیم میں بہت کچھ دار و مدار سنتِ رسولؐ پر ہے، تو سنتِ رسولؐ اور ارشاداتِ نبویؐ کو بے اعتبار اور بے وزن ٹھیرا دینے کے بعد صحابہ کرام کے اقوال و آثار آپ ہی آپ ساقط الاعتبار ہو جاتے ہیں (معاذ اللہ)

اب رہ جاتے ہیں کتابِ سنت اور حدیث و فقہ کے جاننے والے ائمہ اور علماء، ان کے بارے میں پرویز صاحب یہ رائے رکھتے ہیں کہ تیرہ سو سال سے مسلمان اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ نزولِ قرآن سے قبل کے ”مذہب“ کو پھر واپس لے آئیں اور اس کوشش میں مسلمانوں کو کامیابی بھی ہو گئی، اسی طرح مسٹر پرویز نے تیرہ سو سال کے تمام مفسرین، محدثین، فقہاء اور اربابِ صلاح و تقویٰ کی تمام علمی اور دینی کوششوں پر غلط تنسیخ کھینچ کر، ان کے مسلک کو قرآن کا مخالف اور معاند ٹھیرا دیا۔

احادیثِ رسولؐ، اقوالِ صحابہ اور وہ ائمہ اور علماء جن کو قرآن ”اہل الذکر“ کہتا ہے ان تین ذریعوں سے قرآن کی تفہیم میں بہت کچھ مدد مل سکتی تھی، مگر پرویز صاحب نے ان تینوں ذریعوں ہی کو بے اعتبار اور ناقابلِ حجت و استدلال ٹھیرا کر اپنے لئے میدانِ صاف کر لیا! اسی طرح دنیا کے پردے پر کسی کا قول اور عمل ان کے لئے نہ حجت ہے اور نہ سند ہے! وہ اپنی ذات سے خود حجت و برہانِ واقع ہوئے ہیں۔

اسلامی تاریخ بہت سے اہل تقویٰ اور صلحاء امت کی نشان دہی کرتی ہے ان کے قول و عمل کا دینی مسائل میں وزن مانا جاتا ہے۔ ان نیک نہاد بزرگوں کو پرویز صاحب نے اس طرح ناقابلِ اعتنا قرار دیا کہ ”عملِ صالح“ اور ”تقویٰ“ کے معنی ہی بدل ڈالے، اور چونکہ محاشی پر وگرام کو مستقل اقدار سے ہم آہنگ کرنے کا



فن انہیں نہیں آتا تھا، تو یہ بزرگ اہل تقویٰ ہی کب تھے، ان ملائوں اور قل اعوذی مولویوں نے ان لوگوں پر خواہ مخواہ صالحیت اور تقویٰ کو چپکا دیا ہے۔

تو — اب لے دے کر

پرویز صاحب کی ذات ہی پر نگاہ انتخاب جا کر ٹھیرتی ہے کہ نزول قرآن سے لے کر اب تک قرآن کو اس کی حقیقی معنویت اور اصل مفہوم و منشا کے ساتھ صرف پرویز صاحب نے سمجھا ہے، قرآن کریم کے جس لفظ اور جس اصطلاح کا مفہوم وہ متعین کر دیں وہی عین حق ہے! — پس دریا برد کر دو اتحاد نبوی کے تمام مجسموں کو اور آگ لگا دو قرآن کی ساری تفسیروں کو اور لپیٹ کر رکھ دو فقہ و اخلاق کے تمام دفتروں کو، قرآن کریم کی شرح و ترجمانی کا واقعی حق تو پرویز صاحب نے ادا کیا ہے، اسی لئے انہی کے افکار معتبر ہیں، مستند ہیں اور لائق اعتماد ہیں، تیرہ سو سال کی مدت میں بس یہی ایک ایسی شخصیت ظہور میں آئی ہے جو "قرآنی اسلام" اور "قرآنی" معاشرے کی داعی ہے اور جس نے قرآن کے صحیح منشا کو پالیا ہے۔

انکارِ حدیث کا یہ نکتہ جو قرآن کریم کی معنوی تحریف تک جا پہنچا ہے، جو دین کی مُستلماً اور متفقہ اقدار تک کو الٹے دے رہا ہے اور جس کے گمراہ ہونے میں کسی تاویل و شبہ کی ذرہ برابر گنجائش نہیں ہے، اس سے اہل ایمان کو بچانا اہل علم

کہ جو صاحبِ خیر اس مضمون کو مفید سمجھیں کہ اس کی اشاعت سے اچھے نتائج مرتب ہوں گے وہ چاہیں تو اس مضمون کو کتابی صورت میں شوق سے چھاپ سکتے ہیں، اس مضمون کے "نقل و اخذ" کی عام اجازت ہے۔



اور ارباب فکر کا فرض ہے، یہ آگ جو دین و ایمان کو خاکستر بنانے کے لئے بھڑکانی گئی ہے، اس کی فتنہ سامانی کو خاموش تماشائی بن کر نہیں دیکھا جاسکتا، ہم نے اللہ تعالیٰ کے حضور آخرت کی پوری ذمہ داری اور جواب دہی کے احساس کے ساتھ جس بات کو حق سمجھا، اُسے ظاہر کر دیا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق کہنے، حق پر چلنے اور ناحق کا مقابلہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

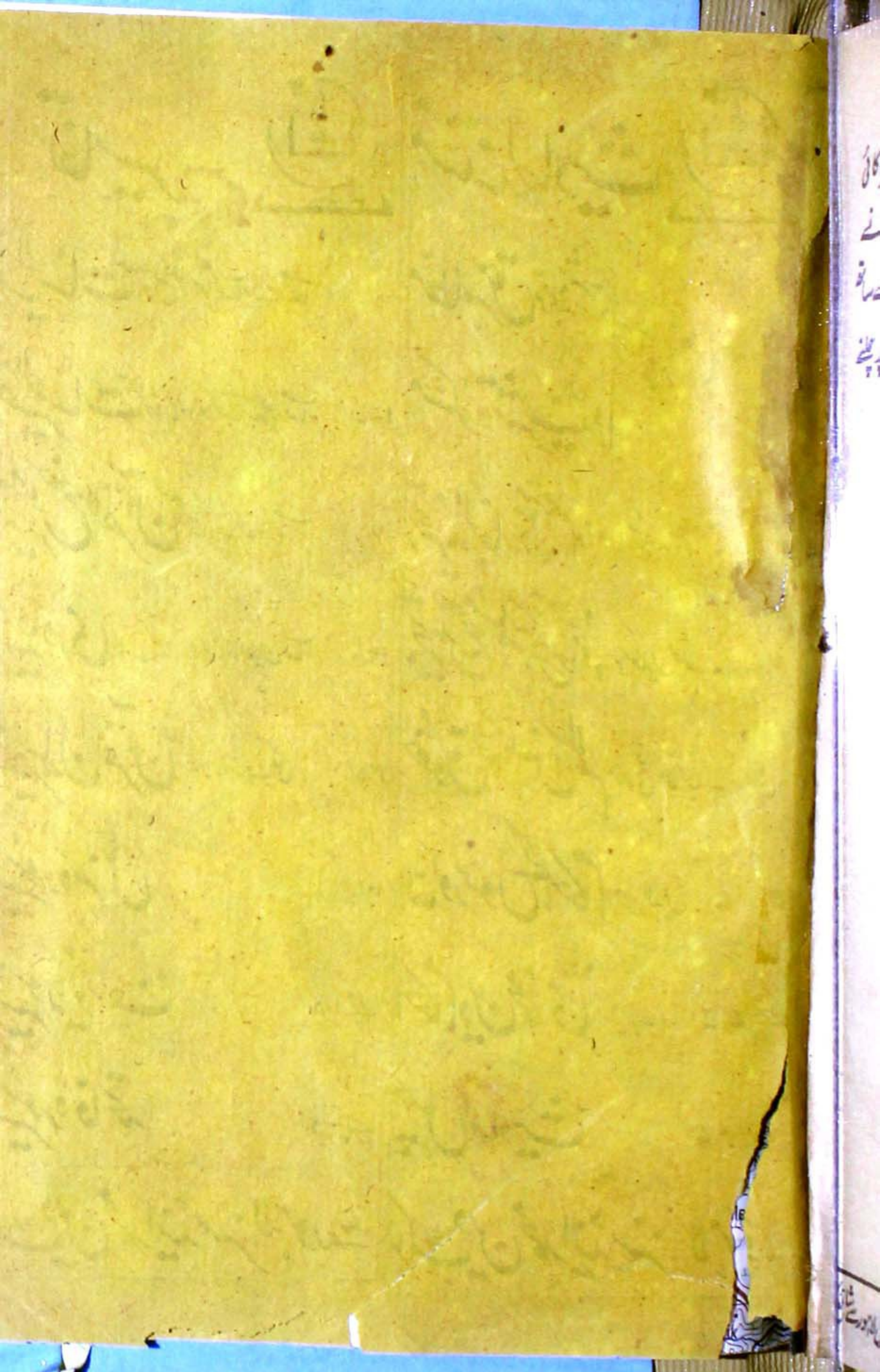
ربنا تقبل منا انک انت السميع العليم!

(ماہر القادری)



ملک محمد عارف خان پرنٹر پبلشرز نے اپنے دین محمدی پریس لاہور سے چھپوا کر اشاعت منزل لاہور سے شائع کیا





کتاب  
نے  
صاف  
کئے

کتاب





# تفاسیر



# مُسْتَدْرَاکِیْت

تفسیر الحسنات جلد اول مجلہ ابو الحسنائید احمد صاب

۱۰/-

تفسیر الحسنات جلد دوم مجلہ ابو الحسنائید احمد صاب

۱۰/-

تفسیر موضح القرآن مجلہ شاہ عبدالقادر صاب

۱۲/-

تفسیر قادری کامل مجلہ مولانا فخر الدین صاب

۱۶/-

تفسیر بیان القرآن مجلہ مولانا اشرف علی

۲۵/-

تفسیر سورۃ منزل

۳/-

تفسیر سورۃ یوسف

۶۵ روپے

تفسیر سورۃ فاتحہ

۵ روپے

(ناشران)

ملک دین محمد اینڈ سنز لاہور

منظاہر حق ترجمہ و شرح

۲ جلدیں

مشکوٰۃ تشریف و اردو

مجلہ

تحریر النجاری مترجم اردو امام بخاری

۲

صحیح مسلمان مع ترجمہ و تفسیر

۲ جلدیں

حقوق و فرائض اسلام مولوی ذیوز الدین

۴

الذکر رسول کے احکام امین الدین

۱

احکام دین محمدی اردو

۵ روپے

پہل احادیث

۳ روپے

(ناشران)

ملک دین محمد اینڈ سنز لاہور





# تفاسیر



# مُسْتَدْرَاکِیْت

تفسیر الحسنات جلد اول مجلہ ابو الحسنائید احمد صاب

۱۰/-

تفسیر الحسنات جلد دوم مجلہ ابو الحسنائید احمد صاب

۱۰/-

تفسیر موضح القرآن مجلہ شاہ عبدالقادر صاب

۱۲/-

تفسیر قادری کامل مجلہ مولانا فخر الدین صاب

۱۶/-

تفسیر بیان القرآن مجلہ مولانا اشرف علی

۲۵/-

تفسیر سورۃ منزل

۳/-

تفسیر سورۃ یوسف

۶۵ روپے

تفسیر سورۃ فاتحہ

۵ روپے

(ناشران)

ملک دین محمد اینڈ سنز لاہور

منظاہر حق ترجمہ و شرح

۲ جلدیں

مشکوٰۃ تشریف و اردو

مجلہ

تحریر النجاری مترجم اردو امام بخاری

۲

صحیح مسلمان مع ترجمہ و تفسیر

۲ جلدیں مجلہ

حقوق و فرائض اسلام مولوی ذوق الدین

۴

النبا و رسول کے احکام امین الدین

۵

احکام دین محمدی اردو

۵ روپے

پہل احادیث

۳ روپے

(ناشران)

ملک دین محمد اینڈ سنز لاہور



کتاب کی معنوی تحریر  
آن کے نام پر



۷۷

ملک دین محمد اید ستر اشاعت منزل لاہور